(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

Mirza Khan Dagh Dehlvi Annaxation of Talmihat e Islami in Ghazaliate. A Critical Review

مرزا خان داغؔ دہلوی کی غزلیات میں تلمیحاتِ اسلامی کا شعری انسلاک۔ تنقیدی جائزہ

عظمیٰ نورین
محسن خالد محسنؔ
شعبہ اُردو (گورنمنٹ ویمن یونی ورسٹی، سیالکوٹ) uzmanoreengcwus@gmail.com
شعبہ اُردو (گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج چوہنگ، لاہور) mohsinkhalid53@gmail.com

Abstract
This paper critically covers the poetic annexation of Talmihat-e-Islami in the ghazals of Mirza Khan Dagh Dehlavi. Through this paper, a critical evaluation of the poetic value of Mirza Khan Dehlavi's Talmihat in the context of the various uses of Talmihat in the tradition of classical ghazal was made. which will expand the art of allusions, and the justification for using talmeeh in poetry will be more relevant. This paper is the first attempt to look at Mirza Khan Dagh's ghazals from a linguistic point of view, which will reveal the poetic meaning of the art of talmeeh as well as an opportunity to bring Mirza Khan Dagh Dehlvi's efforts for the Urdu language to the fore. will get.
Key words: classical ghazal, Persian literature, art of allusion, Urdu language, Islamic stories, Quranic events, religion of Islam, Muslim, Miraj, Urdu literature, prophets.

خلاصہ: یہ مقالہ مرزا خان داغ دہلوی کی غزلیات میں تلمیحاتِ اسلامی کے شعری انسلاک کا تنقیدی کا احاطہ کرتا ہے۔ اس مقالہ کے ذریعے کلاسیکی غزل کی روایت میں مرزا خان دہلوی کی تلمیحات کے متنوع استعمالات کے سیاق میں شعری وقعت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جس سے تلمیح کے فن کو وسعت ملے گی نیز تلمیح کے شاعری میں استعمال کا جواز مزید وقعی تر ہو گا۔ یہ مقالہ مرزا خان داغ کی غزلیات کو لسانی نکتہ نظر سے دیکھنے کی اولین کوشش ہے جس سے فنِ تلمیح کی شاعرانہ معنویت کھل کر سامنے آئے گی نیز مرزا خان داغ دہلوی کی زبانِ اُردو کے لیے کی گئی کاوش کو منظر عام پر آنے کا موقع ملے گا۔

کلیدی الفاظ: کلاسیکی غزل، فارسی ادبیات، فنِ تلمیح، اُردو زبان، اسلامی قصص، قرآنی واقعات، دینِ اسلام، مسلمان، معراج، اُردو ادب، انبیا

اُردو زبان کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اسے ہر زمانے میں نابغہ روزگار شعرا میسر آئے جنھوں نے اس کے قد کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر متمکن کر دیا۔ اُردو زبان کی یہ بلند پروازی اور افلا کی تمکنت دیکھنے کی چیز ہے۔ اُردو زبان کے جملہ رموزِ وعلائق اور بیان وبدیع کے جملہ عناصر صنفِ غزل میں رچے بسے معلوم ہوتے ہیں۔ کلاسیکی غزل میں یہ اختصاص اور انفرادیت موجود ہے کہ اس میں طبع آزمائی کرنے والے سبھی شعرا کے ہاں زبان کی تراش خراش اور اس کی نک سکھ کے عمل کا رجحان برابر دکھائی دیتا ہے۔

قلی قطب شاہ سے لے کر مرزا داغ دہلوی تک یہ رجحان روایت کی صورت ہنوز دکھائی دیتا ہے۔ مرزا داغ کے بعد کلاسیکی غزل کا دور ختم ہوتا ہے اور جدید غزل آنکھ کھولتی ہے جو مابعد جدید غزل سے جدید ترین غزل کا سفر کرتے ہوئے ہم تک پہنچتی ہے۔ اس عرصہ کے دوران کوئی ایسا

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

موضوع، رجحان اور تاثر نہیں رہا ہو گا جس پر شعرا نے طبع آزمائی نہ کی ہو گی۔

اُردو غزل کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اسے ایک سے بڑھ کر ایک شاعر میسر آتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اکیسویں صدی کی جدید ترین غزل کا لب و لہجہ بھی کلاسیکی غزل سے لگا کھاتا ہے۔ آج کی غزل میں بھی کلاسیکی غزل کی پوری آن بان اور شان پورے طمطراق کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

کلاسیکی شعرا کے زبان پر گرفت کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ شعرا کے ہاں چپلقش کے تناظر میں یہی بات سامنے رکھی جاتی تھی کہ کس شاعر کے ہاں زبان کی کون سے باریکیاں اور فنِ بیان و بدیع کے کون سے عناصر و لوازم کا منفرد اور دلآویز استعمال ہوتا ہے۔ اس معاملے میں ولی دکنی، میر تقی میر، ناسخ، آتش، درد، مصحفی، تاباں، یک رنگ، رنگین، انشا، سودا، حاتم اور بعد کو داغ کی شاعری کا اختصاص بطور تقلید متاخرین کے ہاں سند کی حیثیت سے روایتاً جاری رہا۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کی غزل کا رنگ و آہنگ کلاسیکی غزل سے مستعار و مستفید ہے۔

کلاسیکی شعرا کے ہاں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ تلمیحات کا غزل میں استعمال ہے۔ تلمیح کے معاملے میں شعرا کے ہاں ایک طرح سے یکسانی پائی جاتی ہے۔ تلمیح کا شعر میں استعمال اتنا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے لیے شعرا نے وہ تمام معلومات یقیناً اپنے تئیں بہم پہنچائی ہوں گی جن کی بدولت تلمیح کے پس منظر میں موجود تاریخی واقعات سے متصل قصص کو شعر کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

تلمیح کیا ہے اور اس کی غرض و غائیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ تلمیح کا آغاز اور اس کا ارتقا بھی بہت سی کتب اور مقالات میں آ چکا ہے اس لیے اس تعارفی بحث کو یہاں حذف کرتے ہوئے وحید الدین سلیم کے ایک اقتباس پر اکتفا کیا جاتا ہے جس میں تلمیحات کے ماخذات کا بہترین انداز میں سراغ لگایا گیا ہے اور یہ توضیح کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ تلمیح کے ماخذات میں کار فرما عناصر کی وسعت اور اثر پذیری نے کہاں کہاں تک اپنا رسوخ جما رکھا ہے۔ مولوی وحید الدین سلیم لکھتے ہیں": ایرانی و عربی تلمیحات کا اردو میں مستعمل ہونا خوش آئند واقعہ ہے۔ ان تلمیحوں کے ماخذات کو ہندو ماخذوں سے قیاس نہ کیا جائے بلکہ انھیں عرب و ایران فاتحین کے ساتھ منسلک کر کے دیکھا جائے۔"(۱)

کلاسیکی غزل کا خمیر فارسی ادبیات سے ماخوذ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ولی دکنی سے قبل کے شعرا نے بھی فارسی اور ادبی ادبیات کے جملہ عناصرِ السنہ کو ریختہ یعنی اُردو زبان میں بہ زبانی اشعار منتقل کرنے کی کوشش کی ہے تاہم اس معاملے میں شہرت ولی دکنی اور بعد کے شعرا کو نصیب ہوئی۔ خیر یہ تو قسمت کی بات ہے۔ اُردو زبان میں تلمیحات کا ایک گنج ہائے گرانمایہ ہمیں عربی میں فارسی کے توسل سے اُردو کو نصیب ہوا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اعجاز حسین کے نے اپنی محققانہ تصنیف "مذہب و شاعری" میں فارسی زبان سے اُردو میں اخذ کی جانے والی تلمیحات کے حوالے سے بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں:

> "فارسی اور دیگر زبانوں سے تلمیحات عاریتاً لینے کا فائدہ یہ ہوا کہ ادب میں بین الاقوامی رجحانات کی آمد کا عنصر خود اپنے جواز کے درآمو جود ہوا جس سے اردو زبان کی ترقی اور وسعت میں اضافہ ہوا۔ اردو زبان کو بیرونی زبانوں کے جملہ مبادیات سے لسانیاتی نکتہ سے جو فائدہ ہوا، وہ اِس کے منفی اثرات سے بلاشبہ زیادہ ہے"(۲)

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

تلمیحات کی شاعری میں اہمیت اور اس کے جواز پر بہت بات ہو چکی ہے۔ میں صرف یہی کہوں گا کہا گر کلاسیکی شعرا کے جملہ دواوین سے تلمیحات کو حذف کر دیا جائے تو کلاسیکی غزل کے لب و لہجے اور رنگ و آہنگ میں سوائے پھیکا پن اور سبک اندامی کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ تلمیحات کا یہ خزانہ شعرا کی اُردو زبان کو دین ہے جس پر ان کا شکر گزار بحر حال ہمیں ہونا ہی پڑتا ہے۔

مرزا داغ دہلوی کی وجہ شہرت اگرچہ زبان کی سادگی، شوخی اور انداز و اطوار کی متنوع کثیر الجہتی ہے تاہم ان کی غزلیات میں زبان و بیان کی ایسی ایسی باریکیاں اور رنگا رنگ بوقلمونیاں پنہاں ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ کوئی ماہر لسانیات مرزا داغ کے دیوان کو زبان کے تناظر میں پرکھ کر دیکھے اور پھر یہ ثابت کرے کہ داغ جو محاورہ اور روزمرہ کے اُستاد ہیں وہ تلمیحات و تراکیب اور تشبیہات و استعارات کے بھی بادشاہ ہیں۔

مرزا داغ دہلوی ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ان کی شاعری اور زندگی اور عشق اور کلام آپس میں چولی دامن ایسا سنگم لیے ہوئے ہیں۔ مرزا داغ نے عمر بھر اُردو زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا اور غزل کو اپنے مخصوص لب و لہجے اور عاشقانہ تراوت سے ایسا مقیش کیا کہ لوگ سُنتے رہ گئے اور مغنیاں گا، گا کر مست ہوتی رہیں۔

مرزا داغ کی شہرت صرف دلی اور لکھنو تک محدود نہ تھی بلکہ پورے برصغیر میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ مرزا داغ کا دیوان ہر جگہ موجود تھا۔ ادھر غزل خلق ہوئی اور اُدھر کوٹھے پر پہنچی اور مغنیہ نے گا کر مشہور کر دی اور گداگروں نے بھیک کا سہارا اسی غزل کو ٹھہرالیا۔ مرزا داغ کو طوطی ہند اور بلبل ہند جس نے بھی کہا ہے، بجا کہا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''داغ کی پرورش میں جہاں ان کی اماں کا ہاتھ ہے وہی قلعہ معلیٰ کے ماحول، معاشرت او نشست و برخاست کے قرینے سے داغ کی شعوی صلاحیتوں کو جلا بخشا۔ داغ کی شاعرانہ اُپج کو دیکھتے ہوئے نظامِ دکن نے انھیں بلبل ہندوستان، جہانِ اُستاد اور ناظم یار جنگ بہادر ایسے القاب سے نوازا۔ داغ کو نظامِ دکن کی اس عزت پر ہمیشہ تفاخر رہا۔''(۳)

مرزا داغ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ انھیں شاہی قلعے میں پرورش اور تربیت کا موقع ملا جہاں اُستاد محمد ابراہیم ذوق کی سرپرستی میں انھوں نے اُردو زبان کے جملہ اسرار و موز کو اچھی طرح اپنے قلب و ذہن میں اُتار لیا اور اسے اپنا اُوڑھنا بچھونا بنالیا۔ داغ کے ہاں ہر طرح کی جنسی تلذذ کا سامان جہاں موجود ہے وہاں زبان کے نت نئے آہنگ اور بیان کے جابجا رنگ بھی برابر دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

> ''داغ صحیح معنوں میں حُسن پرست تھے۔ مہ طلعتوں کو دیکھ کر ان کی طبیعت میں بلا کی درا کی آجاتی تھی۔ بیخود دہلوی کے بقول: تو تو جانتا ہے حسینوں کو دیکھتا ہوں اور خوبصورت شعر کہتا ہوں۔''(۴)

مرزا داغ کے حوالے سے بہت سے قصے بھی مشہور ہیں جن میں کسی حد تک صداقت بھی ہو سکتی ہے تاہم حقیقت یہ ہے کہ داغ کا مذہبی رنگ ان تمام واقعات و قصص پر سبقت لیے ہوئے ہے۔ داغ کے اپنے تلامذہ اور دوست احباب کو لکھے ہوئے خطوط میں مرزا داغ کی مذہبِ اسلام سے دلچسپی اور اسلام کی جملہ تعلیمات سے آشنائی اس بات کا ثبوت ہے کہ جوانی میں ہر انسان مانند آتش کہ کبھی جوان تھا؛ گزرتی ہے لیکن مرورِ وقت کے ساتھ انسان ڈھل جاتا ہے اور مذہب کی طرف لوٹ آتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''داغ کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے عیش پرست، خوش باش، بے فکرے رئیس زادے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس تعلق سے وہ خصوصیات جو دوسرے شعرا میں الگ الگ نظر آتی ہے، وہ

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

داغ کے ہاں نہ صرف ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں بلکہ ان کی قوت تخیل اور ذکاوت نے ان میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی ہے۔ وہ تہذیب، لال قلعہ جس کی علامت تھا۔ سارے ہندستان کے رئیس زادوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک رچی بسی ہوئی تھی۔"(۵)

مرزا داغ کے خطوط کو ان کے عزیز شاگرد احسن ماہروی نے مرتب کیا ہے۔ ان خطوط کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا داغ کی اسلامی شخصیات سے کس قدر عقیدت تھی۔ اہل تشیع سے متصل ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں اسلام کے شہدا کے لیے ایک خاص جذبہ موجود تھا۔ اسلامی واقعات کے بیان میں جس طرح کا جذباتی اور عقیدت آمیز بیان ان کے کلام میں ملتا ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ داغ کے دیگر اختصاصِ زیست کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان کا مذہبی بیانیہ اور مسلکی نکتہ نظر کا جائزہ لیا جائے جو اس صورت میں ممکن ہے کہ ان کے جملہ دواوین میں مستعمل اسلامی تلمیحات کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے اور یہ رائے قائم کرنے میں اس بات کی تفہیم ممکن بنائی جائے کہ مرزا داغ کے ہاں زندگی کے جملہ رنگ موجود ہیں اور وہ ایک بھرپور انسان ہیں جن کے ہاں دُنیاداری کے ساتھ دین داری بھی ہے اور وحدانیت و رسالت پر ایمان کے ساتھ ارکانِ اسلام پر پابندی کا عنصر بھی برابر دکھائی دیتا ہے۔

مرزا داغ زبان کے اُستاد ہیں۔ اُردو زبان پر انھیں ناز ہے۔ ان کے کلام میں محاورات کا ایک گنج ہائے گراں مایہ موجود ہے۔ ان کے کلام میں محاورات کے بعد اگر کوئی اور بعد یعی عنصر موجود ہے تو وہ تلمیحات کا استعمال ہے۔ مرزا داغ کے ہاں ہر طرح کی تلمیحات استعمال کرنے کا رجحان ملتا ہے۔

یہ مقالہ مرزا داغ کے کلام میں اسلامی تلمیحات سے متصل واقعات و تاثرات کی تحدید اور اس کے غزل میں متنوع استعمال پر مشتمل ہے۔ اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ مرزا داغ نے اپنے جملہ دواوین میں جن اسلامی واقعات و قصص اور روایت کو تلمیح کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اُن کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور یہ تاثر واضح کرنے کی کوشش کی جائے کہ مرزا داغ کے ہاں محاورات کے متوازی تلمیحات کا ایک نظام بھی موجود ہے جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ تلمیحات کا تنقیدی جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

آبِ کوثر کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے جس سے اہل ایمان مستفید ہوں گے۔ آبِ کوثر، شفاف اور متبرک ہونے سے کنایہ ہے۔ روایات کے مطابق؛ حضور اکرمؐ اس نہر کا پانی جنت کے مستحق افراد میں تقسیم کریں گے۔ اسی رعایت سے آپؐ کو ساقی کوثر کہا جاتا ہے۔ اہل تشیع کے عقیدے کے مطابق حضرت علیؓ کو 'ساقی کوثر' کہا جاتا ہے۔ نعمان اعجاز لکھتے ہیں:

"ہر مسلمان روزِ محشر بعد از مغفرت حضور اکرمؐ کے دستِ مبارک سے جامِ کوثر پینے کا خواہاں ہے۔ قرآن مجید میں جنت کے مستحقین کو جامِ کوثر سے سیراب کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "معراج کی رات مجھے کوثر نہر کی سیر کروائی گئی جس کے دونوں کنارے خول دار یاقوت سے بنے ہیں۔ سیر کے دوران راہنما فرشتے نے ہاتھ ڈال کر نہر کوثر سے کستوری نکالی"۔ حضور اکرمؐ نے فرشتے سے پوچھا: "یہ کیا ہے؟"۔ اس نے عرض: "یہ نہرِ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔"(۶)

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

مرزا داغؔ نے آب کوثر تلمیح کو بڑے دلنشیں انداز میں برتا ہے۔داغؔ نے اپنی معصیت زدہ زندگی کی آلام دہ کیفیت کو آبِ کوثر کی ٹھنڈک آمیز راحت سے مماثلت دی ہے۔داغؔ نے بادہ وجام کشی کے دُنیاوی مزے کی کراہت پر روزِ محشر؛آبِ کوثر کی بادہ خواری کو ترجیح دی ہے۔

- ''عجب نہیں تپش داغ معصیت سے مرے/حباب آبلے بن جائیں آبِ کوثر پر[گلزار داغؔ،ص:۹۷]''
- ''مجھ بادہ کش کے واسطے کوثر میں کیا بچا/جی بجھ گیا ہے مجمع مے خوار دیکھ کر[یادگار داغ،ص:۶۴۹]''

آتش خلیل یہ آگ بابل کے معروف بادشاہ نمرود نے خدائی کا رُوب بٹھانے کی غرض سے حضرت ابراہیمؑ کے لیے تیاری کی تھی۔آتشِ نمرود؛ظلم و ستم اور جبر و نخوت سے کنایہ ہے۔دراصل یہ واقعہ شرک و موحد کے درمیان مبارزت کا شاہکار مکالمہ ہے جسے قرآن نے "احسن قصص" کے طور پر تاقیامت بطور نمونہ وثبوت محفوظ کر دیا ہے۔ساجدہ قریشی لکھتی ہیں:

> ''ابراہیمؑ کا رب تعالیٰ کی وحدانیت پر اظہار ایک ایسا کلمہ حق ہے جس نے انھیں کعبہ میں پڑے بتوں کو توڑنے کا حوصلہ دیا اور نمرود کے دربار میں رب تعالیٰ کی حقانیت کو سب کے سامنے واضح کرنے پر آگ کو گلزار میں تبدیل ہونے سے رب تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے کا ناقابل فراموش واقعہ ہمیں دیا''۔(۷)

مرزا داغؔ نے محبوب کی بے نیازی اور بے مروتی کو کنایتہً آتشِ خلیل سے منسوب کیا ہے۔کہتے ہیں میرے محبوب کے خط کی نمود میں آتشِ خلیل کی دُود ایسی حدت و تپش موجود ہے۔جس کی تاب لانا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے اور نہ اس کا جلوہ سر کی آنکھ سے دیکھنا ممکن ہے۔داغ نے ابراہیمؑ کے تعمیر کعبہ کا ذکر مرگِ مفاجات کی صورت کیا ہے۔کہتے ہیں دُنیا شکست وریخت کا نام ہے۔اس دُنیا کے مظاہر بنتے، بگڑتے اور مسمار ہوتے آئے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی پھر سے ان منہدم شاہکار کو نئی صورت نمود کی عطا کر دیتا ہے۔عروج وزوال کا سلسلہ زندگی کے بیانیے کا تسلسل برقرار رکھتا ہے۔

- ''اس شعلہ رو کے رُخ پہ جو خط کی نمود ہے/کیا آتش خلیل کا یارب یہ دود ہے[گلزار داغؔ،ص:۲۲۱]''
- ''دیکھو خلیلؑ ہی سے کعبہ بنا ہوا ہے/ہے گرچہ اک خرابہ لیکن تمہاری جا ہے[مہتاب داغ،ص:۶۷۴]''

ارنی حضرت موسیٰؑ رب تعالیٰ سے کوہ طور تشریف لے جاتے تھے اور زیارت کی ضد کرتے تھے۔ایک دن رب تعالیٰ نے اپنی انوار و تجلیات کا ہلکا سا نظارہ حضرت موسیٰؑ پر القا کیا جس کی تاب نہ لاتے ہوئے آپؑ بے ہوش ہو گئے۔''لن ترانی کے معنی ہیں "تو مجھے ہر گز دیکھ نہ سکے گا/تو ہر گز دیکھنے کی تاب نہ لا سکے گا"۔یہ تلمیح تجلی باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔حضرت موسیٰؑ نے طورِ سینا پر اللہ تعالیٰ سے اس کی تجلی دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا: ارنی یعنی مجھے اپنا آپ دکھا۔جواب میں خدا نے فرمایا تھا: لن ترانی یعنی تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا/تو میرے دیدار کی تاب نہ لا سکے گا''۔(۸)

مرزا داغؔ نے اس واقعے کو بکثرت اشعار میں دُہرایا ہے۔داغؔ کہتے ہیں کوہ طور پر جا کر شعلہ رخسار کو دیکھنا موسیٰؑ ایسے جید پیغمبر کا حوصلہ ہے۔ارنی کی حدت کو برداشت کرنا؛نور جمال کا نظارہ کرنا ہر کسی کے نصیب میں کہاں۔داغؔ نے دراصل تلمیح کے پس پردہ رب تعالیٰ کے دیدار کی خواہش ظاہر کی ہے۔

- ''کہہ دے ارنی گو سے کوئی جا کے سر طور/گر شعلہ رخسار کو دیکھا اسے دیکھا[آفتاب داغؔ،ص:۲۸۳]''
- ''ارنی کہہ کے آگ بھڑکا دی/برق نور جمال ہو ہی گیا[مہتاب داغ،ص:۳۹۹]''

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

اعجازِ مسیحا حضرت عیسیٰ کو رب تعالیٰ نے خاص معجزات سے نواز رکھا تھا۔ رب تعالیٰ نے اپنے انبیا کا تذکرہ قرآن میں صراحت سے بیان کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں قرآنی واقعات کا جس انداز سے ذکر ملتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رب تعالیٰ اپنے برگزیدہ انبیا کی سوانح و شخصیت اور ان کے قصص کو کمال خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔ اعجازِ مسیحا تلمیح بھی اسی ذیل میں بیان ہوئی ہے۔۔ خالدہ پروین لکھتی ہیں:

> ''حضرت عیسیٰؑ کو خدائے تعالیٰ نے بہت سے معجزے عطا کئے تھے۔ ان میں سے ایک مردہ کو زندہ کرنے کا بھی تھا۔ آپ "قم باذن اللہ" کہہ کر مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ مٹی کے پرند بنا کر پھونک مار دیتے اور خدا کے حکم سے اس میں روح پڑ جاتی تھی۔ علاج معالجے اور اکتسابی تدابیر سے مایوس کو شفا عطا کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں یونان کا علم و فن اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے شفا بخشی کا آپ کو ایسا معجزہ عطا کیا تھا جس پر حکمائے یونان قادر نہ تھے''۔ (۹)

مرزا داغؔ نے محبوب کی بے اعتنائی اور بے مروتی کو 'دم اعجاز مسیحا' سے تعبیر کیا ہے۔ داغ کہتے ہیں۔ اے میرے محبوب! تیرا سحر بھی 'اعجاز مسیحا' سے کچھ کم نہیں ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ مردوں کو 'قم باذن اللہ' کہہ کر زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح تو بھی مجھ ایسے نیم بے ہوش عشق کے مارے ہوئے کو "قُم دید" سے زندہ و جاوید کر سکتی ہے۔ داغؔ نے نگاہ شوخ کی تیزی اور پھرتی کی غضب ناکی کو 'اعجاز مسیحا' سے نسبت دی ہے۔ داغؔ کہتے ہیں لوگ حضرت عیسیٰ کے مسیحائی معجزات کے دلدادہ ہیں اور میں اپنے محبوب کی غضب ناک نگاہ کی ایک جھلک کا دیوانہ ہوں۔ اگر یہ نگاہ مجھ ایسے دیوانہ وفرزانہ پر آپڑے تو میری روح کی افزائش کا سامان ہو جائے۔

> ''دم اعجاز مسیحا کو برا کہتا ہے/اب ترا سحر کچھ اے ہوش ربا کہتا ہے [گلزار داغؔ، ص: ۱۷۲]''

برادرانِ یوسفؑ برادران یوسفؑ؛ قرآنی و تاریخی تلمیح ہے۔ حضرت یعقوبؑ اپنے تمام بیٹوں میں سے حضرت یوسفؑ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ باپ کا بیٹے سے بے لوث اور از حد لگاؤ دیگر برادرانِ یوسف کے لیے حسد کا موجب بن گیا۔ اپنے باپ کی توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لیے برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف کو بہانے سے کنویں میں پھینک دیا۔ ڈاکٹر عطاالرحمن صدیقی لکھتے ہیں:

> ''برادرانِ یوسف ایک ایسی اسلامی تلمیح ہے جو اپنے اندر تلخ حقیقت کو پنہاں کیے ہوئے ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے سیر کے بہانے بھائی کو محض حسد کی بنا پر کنویں میں گرا دیا اور اسے مردہ سمجھ کر جھوٹ موٹ بھیڑیے کے کھا جانے کا بہانہ کر کے باپ سے نجات حاصل کرنے میں بظاہر کامیاب ہو گئے لیکن یہ کامیابی ان کی نیت کے فتور کو قیامت تک کے لیے نشانِ عبرت بنا گئی۔ یہ واقعہ اپنے اندر عبرت و موعظت کا پہلو لیے ہوئے ہے''۔ (۱۰)

قرآنی قصص سے معلوم ہوتا ہے۔ صدیوں پہلے بھی انسان حسد و بغض کا اسیر رہا ہے۔ اپنے ذاتی مفاد کے پیشِ نظر ہمیشہ سے خونی رشتوں کا استیصال کرتا آیا ہے۔ داغؔ نے مذکورہ تلمیح میں اسی ردِ عمل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مرزا داغؔ نے برادرانِ یوسفؑ کی بے حسی اور سنگ دلی کو خالصتاً دہلوی انداز میں حقیقتِ پنہاں سے پردہ اُٹھایا ہے۔ حضرت یوسفؑ سے بھائیوں کی بے مروتی اور حسد نے دراصل انسان کی فطرت میں موجود منفی داعیات کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا ہے۔

> ''رکھتے ہیں ایسے چاند کو تو غیر بھی عزیز/یوسف کو بھائیوں نے کنوئیں میں گرا دیا [آفتاب داغ، ص: ۲۷۵]''

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

برق طور برقِ طور ایک معروف تلمیح ہے جو حضرت موسیٰ کے واقعہ کوہ طور سے متعلق ہے۔حضرت موسیٰ رب تعالیٰ کے دیدار کی خواہش کرتے ہیں۔ان کی یہ خواہش حسبِ منشا پوری کر دی جاتی ہے۔روایت یہ ہے کہ بنی اسرا ئیل نے حضرت موسیٰؑ کو بے حد اسرار کیا کہ تم اپنے خدا کو دکھا دُ!ہم دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔''حضرت موسیٰؑ کے اصرار پر رب تعالیٰ نے بنی اسرا ئیل کے سامنے کہا کہ اس پہاڑ پر میری تجلی کو دیکھوں اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہاتو تم بھی مجھ کو دیکھ سکتے ہو۔طور پر تجلی کا نزول ہونے سے پہاڑ جل کر راکھ ہو گیااور موسیٰؑ بہوش ہو کر گر پڑے۔''۔(۱۱)

مرزا داغؔ کہتے ہیں حضور اکرمؐ کے نور کا تقابل کس سے ممکن ہے۔برق طور پر حضرت موسیٰ نے جس جلوہ کا نظارہ کیا تھا۔اس نظارے کا پر تو حضور اکرمؐ کا نور ہے جو اس تجلی میں جلوہ آرا تھا۔رب تعالیٰ نے اپنے نور العین سے حضور اکرمؐ کی تشکیل کی اور آپؐ کے نور سے سارے جہان و ماورائے جہان کی تخلیق ہوئی۔گو یا رب تعالیٰ اور حضور اکرمؐ کے نور میں مماثلت کی یکسانی پائی جاتی ہے داغؔ نے حضرت موسیٰ کے دیدار طور کو حضورؐ کے دیدار سے تعبیر کیا ہے۔

؎ ''کون روکش ہو محمدؐ کے تن پر نور سے/ادلا بدلا جس کے سائے کا ہو برق طور سے[متفرقات داغ،ص:۵۰]''

پنج آیت پنج آیت یا پنج سورہ ہے۔برصغیر میں پیدائش تاوفات بہت سے رسوم ہمارے کلچر کا حصہ بن گئے ہیں۔ان کا اثر ورسوخ اس قدر دخیل ہے کہ ان سے چھٹکارا باوجود کوشش کے ہنوز ممکن نہ ہوسکا۔مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا کی جاتی ہے ۔ مخصوص دُعائیں اور سورتیں (مزمل،یسین، محمد،تغابن وغیرہم)پڑھی جاتی ہیں۔ان خاص اور متعین دنوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کے لیے پنج سورہ کی اصطلاحی تلمیح رائج ہے۔

داغؔ مذکورہ کلچر کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:میرے سوم(تیجے)میں عاشق زار کی عجلت دیدنی ہے۔میری مغفرت کے لیے پنج سورہ پڑھنا بھی بے وفا محبوب کے لیے دُشوار ہو رہا ہے ۔ گھبراہٹ میں اُٹھ کر جانے کی کوشش میں ہے کہ میرا وصال انھیں برداشت نہیں ہو رہا۔مرزا داغؔ نے پنج سورہ کی رعایت سے ہرجائی محبوب کے مذہبی عقیدے پر طنزیہ چوٹ کی ہے جو لائق داد ہے۔

؎ ''وہ سوم میں میرے کب آئے کہ جب/بیٹھ کر مخلوق ساری اُٹھ گئی[گلزار داغؔ،ص:۱۷۹]''

؎ ''ایسی جلدی ہوئی عاشق کے سوم میں آ کر/پنج آیت نہ سنی اُٹھ گئے وہ گھبرا کر[یادگار داغ،ص:۲۶۶]''

پنجتن پنج تن معروف اسلامی تلمیح ہے جس کا تعلق اہل تشیع مسلک سے متصل کیا جاتا ہے۔تقابل مسالک میں چند ایسی شخصیات ہیں جن کے بارے میں درجے کے اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے۔پنج تن سے مراد حضور اکرمؐ کے خاندان کے افراد ہیں جنھیں حضور اکرمؐ سے اپنی کالی چادر میں لے کر ان کے حق میں دُعا کی تھی۔ساجد محمود لکھتے ہیں :''پنجتن'' سے مراد حضور اکرمؐ کے گھر کے افراد ہیں جن میں حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ،اور خود حضور اکرمؐ شامل ہیں۔''۔(۱۲)

حضور اکرمؐ کے خاندان کو دُنیا کے تمام خاندانوں میں برتری اور عظمت حاصل ہے۔اس خاندان کے افراد کا مقام و مرتبہ ناقابل تقابل و متعین ہے۔رب تعالیٰ؛ان کے وسیلے سے مانگی ہوئی دُعاؤں کو پورا کرتا ہے۔حضور اکرمؐ کی چادر مبارکہ کی آغوش میں پرورش پانے والے پنجتن کی عظمت کو داغ نے عظیم و افضل قرار دیتے ہوئے انھیں مقدم و برتر گردانا ہے۔

؎ ''پنجتن کا مرتبہ بھی کم سوا آپس میں ہے/ہو نہیں سکتیں برابر سچ ہے پانچوں انگلیاں[متفرقات داغؔ،ص:۱]''

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

تجلی طور داغ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ کی رب تعالیٰ سے ملاقات اور باہم گفتگو کا ایک نیا زاویہ پیش کیا ہے۔ داغ کہتے ہیں موسیٰ؛ رب تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش میں بولائے گئے تھے۔ جب دیدارِ خداوندی کی تجلی ان پر ظاہر ہوئی تو اس نور کی حدت کی تاب نہ لاتے ہوئے غش کھا گئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے ہوشیار یار باش تفنن طبع کے طور پر کہہ تو دیتے ہیں؛ روبرو ہونے کا یارا نہیں رکھتے۔ جہاں پیغمبر کی تاب نہ ہو وہاں ایسے ابن الوقت کی کیا بساط۔

؎ ''تجلی دیکھتے ہی حضرت موسیٰ کو غش آیا/نہ نکلی بات بھی منہ سے یہ ہشیاروں کی باتیں ہیں[گلزار داغ، ص:۱۴۵]''

تخت الثریٰ مرزا داغؔ نے تخت الثریٰ کا چودہ طبق کے ساتھ التزام کر کے اس واقعہ کو کنائے کی صورت اشعار میں بیان کیا ہے۔ داغؔ کہتے ہیں عرشِ اعلیٰ کا سلسلہ تخت الثریٰ سے لگا، کھاتا ہے جبکہ شیخ ابھی تک چودہ طبق کی شناسائی میں مستغرق ہے۔ داغؔ نے اپنے زمانے کے سلاطین کو اس تلمیح کے پس پردہ طنزیہ انداز میں جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔

؎ ''کبھی ہے عرش اعلیٰ پر کبھی تخت الثری میں ہے/کھلے گا شیخ پر چودہ طبق اول سے آخر تک[گلزار داغ، ص:۱۱۶]''

جگر مریم مریمؑ سے متعلقہ تلمیحات کلاسیکی غزل میں تقریباً ہر شاعر نے کلام میں برتی ہیں۔ حضرت مریمؑ کے ہاں حضرت عیسیٰ کی ولادت نے ان کے لیے کئی امتحانات وارد کیے۔ ان آزمائشوں سے سرخرو ہونے کے استطاعت گو آپؑ میں موجود تھی تاہم رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو شیر خواری میں قوت گویائی دے کر آپ کی پاک دامنی ثابت کر دی۔ میاں محمود نجمی لکھتے ہیں:

> ''جگرِ مریم تلمیحی واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ شیر خوار بچے کو بھی قوتِ گویائی عطا کر سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے پنگھوڑے میں زبان سے بول کر اپنی اماں مریمؑ کی پاکیزگی اور بے گناہی کو اس طرح ثابت کیا کہ پھر کسی کو طعن و تہمت دھرنے کی جرائت نہ ہو سکی''۔(۱۳)

آپ پر بے بنیاد الزامات کی نفی ہو گئی۔ یہ حضرت مریم کا ہی جگر ہے کہ آپ خاموش رہیں۔ رب تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت کی منتظر رہیں۔ داغؔ نے حضرت مریمؑ کی اس دلیری اور استقامت کو جگرِ مریم کی سے تعبیر کیا ہے۔

؎ ''ہاتھ اپنا چارہ گر اس کو لگا سکتا نہیں/دامن زخم جگر مریم کا دامن بن گیا[گلزار داغ، ص:۷۲]''

جلوہ طور جلوہ طور، حضرت موسیٰؑ سے متعلقہ تلمیح ہے۔ کلاسیکی غزل میں حضرت موسیٰ سے متعلقہ بیسیوں تلمیحات مستعمل ہیں۔ جلوہ طور ایک معروف تلمیح ہے جس میں کوہ طور کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ مرزا داغؔ کہتے ہیں کوہ طور پر قدرتِ حق کا جلوہ حضرت موسیٰ کی غشی کا سبب بن گیا ۔تاب و طاق مرد کی کا انحصار انسانی بساط سے باہر ہے۔ داغؔ نے جلوہ طور ایسی تلمیح سے کنایہ کرتے ہوئے طنزیہ کہا ہے۔ مہ وش کے بکا نور کو چھوڑ کر کوہ طور کے جلوہ ہائے نور کو کوئی کیا دیکھے۔ مجھ ایسے عاشقِ زار میں محبوبِ ارضی کو دیکھنے کی تاب نہیں۔ داغؔ نے جلوہ طور کو ارضی حقائق میں دیکھنے کا ایک نیا زاویہ دیا ہے جو لائقِ داد ہے۔

؎ ''نہ جلتا طور کیونکر کس طرح موسیٰ نہ غش کھاتے/کہاں یہ تاب و طاقت جلوہ دیکھے مرد کمک تیرا[گلزار داغ، ص:۲۹]''

چاہِ زمزم چاہ زمزم؛ داغؔ نے آب حیات کے تناظر میں بیان کیا ہے۔ یہ ایک کنواں ہے۔ مشہور ہے اس کا پانی پی لینے سے قیامت تک موت نہیں آئے گی۔ اس کنواں کی تلاش اور اس سے متعلقہ قصص تاریخ اور روایات میں منقول ہیں۔ میمونہ ریاض لکھتی ہیں: '' یہ چشمہ پروردگارِ عالم نے جلیل القدر پیغمبر حضرت اسماعیلؑ کے لیے جاری کیا تھا''۔(۱۴)

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

چاہ زمزم کے پانی کو داغ نے پیر مغاں کی 'بنتِ عنب' سے تشبیہ دی ہے۔ داغ کہتے ہیں زاہد کو قطرہ زمزم پہ ناز ہے تو ہم بھی بنت عنب کی دسترس پہ نازاں ہیں۔ زاہد، ایک ابن الوقت مذہبی کردار ہے جو جنت کے حصول میں ظاہر داری سے کام لیتا ہے۔ داغ کے ہاں ظاہر پرست ابن الوقت کا طنزیہ مضحکہ متعدد اشعار میں ملتا ہے۔

- "زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے / یہاں خم کے خم اوڑائے ہیں پیر مغاں کے ساتھ [گلزار داغ، ص:۱۹۸]"
- "روسیاہی گئی نہ اے زاہد / ڈوب مرنا تھا چاہ زمزم میں [مہتاب داغ، ص:۲۴۴]"

حجرِ اسود دورِ جاہلیت میں یہ پتھر بے حد مقدس تصور کیا جاتا تھا۔ مسلمان بھی اسے بے حد متبرک خیال کرتے ہیں۔ مشہور ہے یہ پتھر جنت سے اُتارا گیا تھا۔ اس وقت اس کا رنگ سفید تھا۔ رفتہ رفتہ انسانی معصیتوں سے متاثر ہو کر اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ حجر اسود اس سیاہ رنگ کے پتھر کو کہتے ہیں جو خانہ کعبہ میں رُکن شامی پر نصب ہے۔ کہتے ہیں آدمؑ نے اول کعبہ کی تعمیر کے دوران طوائف کی حد مقرر کرنے کے لیے ایک پتھر نصب کر دیا تھا۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد اسے آسمان پر اُٹھالیا تھا۔ محمود نظامی لکھتے ہیں:

> "حجرِ اسود کے بارے میں علم نہیں کہ یہ کتنا بڑا اور اول کس رنگ کا تھا۔ کعبہ میں دوبار آگ لگنے کے بعد یہ جل گیا تھا اور اس کا رنگ کالا پڑ گیا تھا اور اب کثرتِ بوسہ سے یہ چکنا ہو گیا ہے اور درمیان سے قدرے سفید مائل ہے۔ قرآن مجید میں اس پتھر کا کہیں ذکر نہیں البتہ مسلمان اسے ازالہ معافی کا ایک ذریعہ تصور کرتے ہوئے اسے جزو منارُکن حج میں شمار کرتے ہیں"۔ (۱۵)

مرزا داغ کہتے ہیں سنگِ اسود کعبے کی رونق ہے۔ یہ اپنی جگہ اس لیے مستحکم ہے کہ اس کی صداقت کو کسی نظریے کے بیانیے کے پیش نظر بطلان سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ سنگِ اسود کی اہمیت مذہبی بیانیے میں مسلم ہے۔ اس کی ہمیشگی کا راز اس کی درازیِ عمر میں مضمر ہے۔

- "سنگ اسود نہ ٹلا کعبے سے / پتھر اپنی ہی جگہ جاری ہے [مہتاب داغ، ص:۵]"

خریداریِ یوسفؑ حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا قصہ عالمی کلاسیک کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ حضرت یوسفؑ اپنے ابا یعنی حضرت یعقوبؑ کے بہت عزیز اور دل کے قریب تھے۔ یہ عقیدت دیگر بھائیوں میں حسد کا موجب بنی۔ برادرانِ یوسفؑ نے آپؑ کو بہانے سے آبادی سے دور ایک کنویں میں گرا دیا۔ راہ گیروں نے آپ کو نکال کر مصر کے بازار میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا۔ اس واقعے کو "خریداری یوسف" تلمیح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مرزا داغ نے زلیخا کی روشن قسمت کو یوسفؑ کی خریداری پر محمول کیا ہے۔ داغ کہتے ہیں یوں تو ہر کسی نے بڑھ چڑھ کر دام دینے کی کوشش کی لیکن زلیخا کی قسمت میں یوسفؑ کو لکھ دیا گیا تھا۔ اس لیے یوسفؑ کو مول لینے کا اعزاز کوئی اور نہ لے سکا۔

- "جو شیخ دیکھ لے اک بار کیف مے خانہ / تو بھول کر نہ قدم خانقاہ میں رکھے [گلزار داغ، ص:۱۹۸]"

خوابِ زلیخا عرب کے مغربی شمال میں ایک بادشاہ رہتا تھا جس کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جس کا نام زلیخا تھا۔ "زلیخا اور یوسف کی تلمیحؑ اسلامی تلمیحات کے بنیادی ماخذات کی حیثیت رکھتے ہیں۔"(۱۶) واقعہ یوں ہے کہ ایک رات خواب میں وہ ایک ایسے نوجوان کو دیکھتا ہے جس کی خوبصورتی انسان سے زیادہ تھی۔ جہاں بھی نظر ڈالتی ہے، وہی نظر آتا ہے یہاں تک کہ حضرت یوسفؑ پر خرید و فروخت کے بازار میں نظر پڑ جاتی ہے۔ قدرت اس پر مہربان ہو جاتی ہے اور مشکلات و آزمائش کے ایک طویل سفر سے گزر کر دونوں ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں۔

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

داغ کی غزل کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ داغؔ یوسف و زلیخا کے قصے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ داغ جا بجا اشعار میں اس قصے سے متعلق واقعات کی جزئیات کو تلمیح کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ داغؔ یوسفؑ کے یعقوبؑ سے بچھڑ جانے کو زلیخا کی وصال کا سبب گردانتے ہیں۔ عشق کی اس تکثیریت نے قصہ یوسف و زلیخا کو کثیر المعنویتی جہت سے ہمکنار کیا ہے۔

؎ ''مہجور کی دُعا کو شب قدر چاہیے/یوسفؑ کے دیکھنے کو زلیخا کا خواب ہو[مہتاب داغ، ص:۲۶۵]''

داورِ محشر داغؔ نے رب تعالیٰ کو داورِ محشر یعنی قیامت کے دن حساب و کتاب کرنے والے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قیامت کے روز اپنے نامہ اعمال کی جوابدہی ہو گی۔ اُس روز کوئی کسی کی سفارش و مدد نہیں کر سکے گا۔ ہر کسی کو اپنی پڑی ہو گی۔ نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ مخلوقِ کل دائمی حیات کا فیصلہ داورِ محشر کے کرم، فضل اور رحم پر منحصر ہو گا۔

مرزا داغ داورِ محشر کی صفاتِ رحیمی کی رعایت سے اپنے اعمال کی واگزاشت سے عاجزنہ توبہ کی درخواست کر رہے ہیں۔ حساب و کتاب کی روزِ قیامت جو صورت ہو گی۔ انصاف کے ربّی معیار کے پیشِ نظر رحمتِ خداوندی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ قدرتِ حق اپنی رحمت کے صدقے ہم ایسے روسیاہ کو بے حساب و کتاب داخلِ جنت کر دے تو یہ ہمارے لیے دوامی مسرت و افتخار کا باعث ہو گا ورنہ مستقل ٹھکانہ اس کے بر عکس اور کیا ہو سکتا ہے۔

؎ کے دیتا ہوں جو گذری ہے پرائے داور محشر/نہ آئے تذکرہ مجھ سے کسی کے عشق پنہاں کا[گلزار داغ، ص:۴۰]''

؎ یاپرشش بیداد ہوا ے داور محشر/یا کہہ دے کہ انصاف یہاں ہو نہیں سکتا[یادگار داغ، ص:۶۲۹]''

دامن مریم حضرت مریمؑ ہمارے جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ بی بی مریم بغیر باپ بچے کو ثابت کرنے پر زور دیا گیا تو رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو شیر خواری میں زبان عطا کی۔ آپ نے بول کر لوگوں کو اپنے جائز ہونے اور ماں کی عصمت پر حرف آنے کے تمام تر الزامات کو غلط ثابت کر دیا۔ دامانِ مریم کی تلمیح اسی واقعے کی یاد لاتی ہے۔ ڈاکٹر فرخ سہیل لکھتے ہیں:

> ''حضرت مریمؑ حضرت داؤدؑ کی آل میں سے ہیں۔ آپ کے والد کا نام حضرت عمران ہے جو بنی اسرائیل کے ایک برگزیدہ امام تھے۔ آپؑ کی والدہ حننه بنت فاقود ایک نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ آپ کی والدہ کی نذر کی برکت کی وجہ سے آپ پیدا ہوئیں تھیں۔ آپ کا نام آپ کی والدہ نے رکھا تھا۔ روایات میں منقول ہے کہ جب عیسیٰؑ بن باپ کے پیدا ہوئے تو عیسیٰؑ کی بن باپ ولادت کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیشگی بتادیا تھا اور اس واقعے کے ردعمل سے نپٹنے کے لیے اپنی مدد کا یقین دلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو عیسیٰؑ کی پرورش و تربیت کے لیے چُن لیا۔ بوقتِ ولادت جب آپ کے کردار اور ناموس پر حرف اُٹھنا شروع ہوئے تو عیسیٰؑ نے ماں کی گود میں بول کر اپنی ماں کی پاکدامنی کی تصدیق کر دی۔ مریم کی عبادت اور صبر و رضا پر ہر وقت سر تسلیم خم رکھنے کی خوضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے''۔ (۱۷)

مرزا داغ نے مذکورہ شعر میں اپنی غریب الوطنی اور بے چارگی کو دامنِ مریم سے نسبت دی ہے۔ مرزا نے یہ کہنے کی جسارت کی ہے کہ میں دستِ وحشت سے اپنے دامن کو کیسے بچاؤں۔ مجھ ایسے چاکِ گریبان کو دامنِ مریم نصیب نہیں جو اپنی پاکدامنی کو ثابت کر سکے۔

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

۔ ''بچاؤں پیرہن کیا چارہ گر میں دست وحشت سے/کہیں ایسے گریباں دامن مریم بھی ہوتے ہیں[گلزار داغ، ص:۴۴۴]''

دار البقا دار البقا؛ سے مراد بعد از موت کا عہد ہے جسے عہدِ برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مشہور ہے موت کے بعد تمام ارواح عالمِ برزخ میں موجود ہیں اور قیامت تک اسی عالم میں موجود رہیں گی۔ یہ عالم، عالمِ ناسوت اور ہاہوت سے زیادہ طویل المدتی ہے۔ حضرت آدم سے لے کر ہنوز جتنی ارواح نے وصال کیا ہے وہ سبھی یہاں موجود ہیں۔ غدر کے بعد کی صورتحال کو لے کر مرزا داغؔ خاصے دربدر رہے۔ جگہ جگہ، شہر شہر ان کا قیام عارضی رہا۔ داغؔ کی زندگی پر غدر کے بڑے ہولناک اثرات مرتب ہوئے۔ داغؔ کا خاندان اُجڑ گیا اور دلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ رونقیں، چہل پہل اور ہا، ہو؛ نے پر رونق شہر پر یاسیت و قنوطیت کی چادر اُوڑھادی۔ مذکورہ تلمیح کے پس منظر میں داغؔ نے اسی واقعہ اور اپنے دِگرگوں حالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۔ ''اسے عشق رخصت اے ہوس وآرزو سلام/اپنا مقام آج سے دار البقا ہوا[گلزار داغ، ص:۳۵۵]''

دربانِ رسولؐ عربی دربان رسول عربی سے مراد حضرت جبریلؑ ہیں۔ حضرت جبرئیل حضور اکرمؐ اور رب تعالیٰ کے درمیان پیغام رسانی کا واحد ذریعہ پیغام رساں تھے۔ حضرت جبرئیل چار مشہور فرشتوں میں سب سے اہم مقام اور مرتبے کے حامل ہیں۔ دین محمدیؐ کا ہر پیرو آپؐ کی شخصیت اور اُوصافِ حمیدہ سے آگاہ ہے۔ انیس الرحمان لکھتے ہیں:

> ''عبرانی زبان میں جبرئیل کے معنی "مرد خدا" کے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت "دمِ جبرئیل" ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ حضرت مریمؑ کے گریبان میں حضرت جبرئیلؑ نے پھونک ماری تھی ۔معراج کی شب حضرت جبرئیلؑ حضورؐ کے ہمراہ تھے''۔(۱۸)

مرزا داغؔ دربان رسول عربی کی رعایت سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں۔ داغؔ کہتے ہیں رسول عربی کا دربان ہونا ہر کسی کے نصیب میں کہاں۔ یہ شرف صرف جبرئیل کے حصے میں قدرتِ حق نے لکھ رکھا تھا۔ یہ امتیاز انھیں کو زیبا ہے۔

۔ ''آپ کا رتبہ ہے ایسا کہ جناب جبرئیل/آپ کے در کے ہیں دربان رسول عربی[تتمہ متفرقات داغ، ص:۸۵۹]''

دستِ سفید دست موسیٰ یا دست کلیم سے مراد حضرت موسیٰؑ کا معجزہ ہے جو آپ کی نسبت بنی اسرائیل کی اُمت کے لیے رب تعالیٰ نے بے بطور نشانیِ نبوت جاری کیا تھا۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی محبوب اُمت قرار دیا تھا اور ان پر انعام واکرام کی بارش کی تھی۔ اس کے باوجود اِس قوم نے سرکشی کی اور فرعون کی غلامی میں چلی گئی جس نے موسیٰ نے انھیں نجات دلائی۔ ساحر لکھنوی لکھتے ہیں:

> ''موسیٰؑ اپنا ہاتھ گریبان کے اندر کے جا کر بغل سے مَس کر کے باہر نکالتے تو وہ سورج کی مثل چمکنے لگتا تھا۔ یہ معجزہ پیغام حق کی دلیل اور حجت کا کام کرتا تھا۔''(۱۹)

مرزا داغ نے مذکورہ شعر میں موسیٰ کے دست فیض کا اعتراف کیا ہے۔ نور و لوح و عصا کی ترکیب سے حضرت موسیٰ کے اس معجزہ کی تحسین کی ہے۔ داغ کہتے ہیں قدرتِ حق نے موسیٰ کو کمال معجزے عطا کیے۔ انھوں نے ان معجزات کی مدد سے اپنی قوم کو راہِ حق کی راہ دکھائی۔ انھیں موحّد ہونے کی دعوت دیتے رہے۔

۔ ''دست موسیٰ میں فیض بخشش ہے/نور و لوح و عصا دیا تو نے[گلزار داغ، ص:۱۲۶]''

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

دمِ عیسیٰؑ اسلامی تلمیحات میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔آپ کے معجزات حیران کن ہیں اور محیر العقول محسوس ہوتے ہیں۔ایک مسلمان جب ان واقعات کو سُنتا ہے تو اس کا ایمان تازہ ہوتا ہے جبکہ ایک غیر مسلم انھیں سُن کر مزید شکوک اور التباس میں پڑ جاتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔رب تعالیٰ کی یہ مرضی ہے کہ وہ خدائی کے کارخانے میں جسے جو چاہے عطا کر دے دم عیسیٰ تلمیح بھی رب تعالیٰ کے اسی کارخانہ خِلقت کی فرواں مثال ہے۔حضرت عیسیٰ کے بارے میں مشہور تھا کہ "آپؑ مٹی کے پرند بنا کر ان میں پھونک مارتے اور ان میں جان پڑ جاتی اور وہ اُڑ جاتے۔شعرا نے اس واقعے کی رعایت سے دمِ عیسیٰؑ کی تلمیح تراشی ہے"۔(۲۰)

مرزا داغؔ عیسیٰ کے معجزاتی کارفرمائیوں کے شیدا ہیں۔کہتے ہیں دل کی غمگیں حالت میں عیسیٰ کے دمِ سوز کی ذرا سی حدت در آئے تو مجھ ایسی بے صورت چنگ کے ساز میں نفس کی حیات پھونک پڑے۔داغؔ نے دمِ عیسیٰ کی رعایت سے اپنی شاعری کے رواں ہونے کا کنایہ انتہائی خوبصورت انداز میں برتا ہے۔

؎ "نغمہ دل کش ہو تو دم سازِ دمِ عیسیٰؑ ہے/ کبھی آجاتی ہے کانوں میں صدا تھوڑی سی [مہتاب داغ، ص:۲۲۸]"

راشی ومرتشی،فی النار کلاسیکی غزل میں زاہد اور شیخ ایسے کئی کردار ہیں جن کی چھبتی اور استہزایہ اُڑانا؛ شاعروں کا شغل ہے۔ان کرداروں پر جنت، مے کشی کے علاوہ راشی و مرتشی کا تاثر (الزام) بھی منسوب کیا جاتا ہے۔"رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہیں"۔(۲۱) مرزا داغؔ نے اپنے حلقہ اسیر میں کچھ ایسے کردار ٹٹول رکھے ہیں۔گاہے گاہے جن پر راشی و مرتشی فی النار تاثر کو بطور محاورہ اور کہیں کہیں کناتاً کہہ جاتے ہیں۔داغؔ اور اس عہد کے دیگر شعرا کے ہاں سماجی مسائل اور مذموم عادات کے بارے میں سخت الفاظ میں تنقید ملتی ہے۔

؎ "ایمان کی اے داغ جو پوچھو یہ ہے/ہیں راشی و مرتشی تو دونوں فی النار [مہتاب داغ، ص:۵۷۹]"

روحِ مسیحا حضرت عیسیٰؑ کی سولی پر چڑھنے کے اس واقعے کے بارے میں تقابل ادیان میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔اس واقعہ کے متن کو سیاق و سباق سے ہٹ کر بیان کیا جاتا ہے اور اس کی ترتیب میں تحریف کی گئی ہے۔اسلام اس کے بارے میں ایک واضح نکتہ رکھتا ہے جبکہ عیسایت میں اس کے بارے میں ایک دوسرا نکتہ نظر ہے۔ڈاکٹر خالد ندیم لکھتے ہیں: "مسیحؑ پیغمبر کو جب سولی دی جا رہی تھی تو رب تعالیٰ نے اپنے کمالِ ہنر سے مسیحؑ پیغمبر کی شکل سے متلبس شخص کو سولی پر لٹکا دیا اور مسیحؑ پیغمبر کو آسمان پر زندہ اُٹھا لیا۔"(۲۲)

مرزا داغؔ کے علاوہ کلاسیکی غزل میں حضرت عیسیٰ سے متعلقہ تلمیحات کو استعمال کرنے کا برابر رجحان ملتا ہے۔مسیحائی کو عام طور سے بے مروت محبوب کے عدم موافقت پر مبنی سلوک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔داغؔ کہتے ہیں مسیحائی کا دعویٰ کرنے والے اپنے اندر مسیحائی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔یہ نگاہوں میں کثیف جذبات لیے بہ زَعم خود چارہ گری کا دم بھرتے ہیں۔

؎ "کیوں دور ہو اے چارہ گر آزار ہمارا/کچھ روح مسیحا تو نہیں تیری دوا میں [آفتاب داغ، ص:۲۰]"

روزِالست روزِ الست ایک قرآنی آیت سے منسوب اسلامی تلمیح ہے۔سورہ اعراف کی آیت ۱۷۲ میں عہد الست/روزِ الست کا ذکر آیا ہے۔اسلامی روایات میں روزِ الست کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔اس موقع پر رب تعالیٰ نے فرشتوں کو جمع کر کے پہلے انسان یعنی آدمؑ کو سجدہ کرایا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا۔ڈاکٹر عابد خورشید لکھتے ہیں:

> "ازل" تصوف کی اصطلاح ہے جس سے مراد اُس علم کو لیا جاتا ہے جسے اللہ کی ذات جانتی ہے کہ ازل کیا ہے۔علامہ اقبال، مرزا غالب اور متعدد شعرا نے اس خیال کو منظوم کیا ہے تاہم اس کے بارے

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

میں قطعیت سے کوئی حتمی بات نہیں کی کہ ازل سے کیا مراد ہے جبکہ روزِ ازل کے بارے میں کچھ اشارے کیے ہیں جو الست کے وعدے کی یاد دلاتا ہے۔ سائنس اور علم نجوم بھی اس کے بارے میں قیاس آرائی سے زیادہ معلومات فراہم نہیں کرتا"۔ (۲۳)

مرزا داغؔ نے روزِ الست کی رعایت سے ایک نیا نکتہ پیش کیا ہے۔ داغؔ کہتے ہیں۔ روزِ الست ہم کو رب تعالیٰ سے گفتگو کرنے کا موقع ملا تھا ۔ ہم نے محض سر جھکانے اور گواہی ربوبیت کے علاوہ نہ مزید کچھ کہا اور نہ مانگا۔ یہ موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔ داغؔ کہتے ہیں۔ اس دن ہمارے ساتھ چال چلی گئی۔ سیدھے سادھے انداز میں ہمیں مبتلائے فکر و جہاں میں دھکیل دیا گیا۔ حالاں کہ اگر ہمیں گفتگو کا موقع دیا جاتا تو ہم اس آب و گل میں مزید آسانی کی کوئی سبیل ڈھونڈ لیتے۔

؎ "روز الست ہم سے بڑی چال رہ گئی/ پھر ایسا دن ملے گا نہ گفت و شنید کا [گلزار داغ، ص:۴۱]"

روزِ جزا مرزا داغؔ نے روز جزا سے کنایتاً اپنے دُکھوں اور محرمیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کوئی نہیں کہ جو میرے دُکھوں اور مصائب و آلام کا مداوا کرے۔ میری تاریک راتوں کو کوئی شمع سحر میں بدلنے والا نہیں ہے۔ میرا مستقل مستقر دوزخ ہے جس میں مثلِ شمع مجھ کو جلنا ہے۔ داغؔ کہتے ہیں چند روزہ حیات میں تجھ سے جس قدر ظلم روا رکھے جا سکتے ہیں۔ ان کا معاملہ کل قیامت کو دیکھا جائے گا۔ اس معاملے کی انتہا شبِ ہجراں کے بحرِ بیکراں اختتام پر موقوف ہوگی۔ ہم بھی اسی دن کے انتظار میں جبر کیے ہوئے صبر سے بیٹھے ہیں۔

؎ "جس قدر آج ستانا ہے ستالے ہم کو/ روز محشر بھی تو کل اے شب ہجراں ہوگا [گلزار داغ، ص:۵]"

؎ "جلوں گا حشر تک اے داغؔ سوز محبت سے/ نہ دے گی ساتھ تا روز جزا شمع حرم میرا [گلزار داغ، ص:۹]"

ساقی کوثر ساقی کوثر مشہور اسلامی تلمیح ہے جسے کلاسیکی غزل گو شعرا نے تواتر سے اپنی غزلیات میں بیان کیا ہے اور اس سے نت نئے نکتے تراشے ہیں۔ ساقی کوثر سے مراد جنت میں پانی کا وہ چشمہ ہے جو صرف اہل جنت کے مستحقین کے لیے مخصوص ہے۔ اس خاص مشروب سے جنت کے نوازگان مستفید ہو سکیں گے۔۔ عاصمہ فرحت لکھتی ہیں: "ساقی کوثر حضورؐ کا لقب ہے۔ آپؐ بہشتیوں کو حوضِ کوثر کا پانی پلائیں گے۔ ساقی کوثر کی تلمیح حضرت علیؓ کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے"۔ (۲۴)

مرزا کہتے ہیں میں ساقی کوثر کے تشنہ لب و تشنہ دہن کی چاٹ کا اسیر ہو گیا ہوں۔ یہ تمنا ہے کہ میرے ہونٹوں کی پیاس اور تشنگی ساقی کوثر کے ہاتھوں مٹ جائے۔ میں بھی تسکین قلب کی لذت سے لطف اندوز ہو کر زندگی کی جاودانی کا مزہ چکھ لوں۔

؎ "داغؔ اس چاٹ پہ ہے تشنہ لب و تشنہ دہن/ کہ ملیں ساقی کوثر مے کے مزے [گلزار داغ، ص:۱۹۱]"

سایہ طوبیٰ طوبیٰ ایک اسلامی و قرآنی تلمیح؛ کلاسیکی غزل میں مستعمل ہے۔ طوبیٰ ایک درخت کا نام ہے جو جنت میں موجود ہے۔ اس درخت کو خیر و برکت کے تناظر میں اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جس طرح سدرہ ایک مقامِ عرش ہے۔ اسی طرح طوبیٰ بھی ایک مقام شجر ہے۔ جس سے کئی کہانیاں اور قصص منسوب ہیں۔ "طوبیٰ بہشت کے ایک بلند و وسیع ترین درخت کا نام ہے جس کا سایہ تمام جنتوں میں پہنچے گا۔" (۲۵)

مرزا داغؔ نے طوبیٰ تلمیح کو اپنے خاص سیاق میں بیان کیا ہے۔ اس سے حسرت مندی کا استعارہ بطور کنایتاً تعبیر کیا ہے۔ داغؔ کہتے ہیں طوبیٰ کے سائے میں پناہ لینے کی خواہش؛ دراصل حسرت کے دریا میں پابہ گل محوِ جستجو ہونے کا عمل ہے۔ فرشتوں کے ہاں بھی اس کی رسائی ممکن نہیں۔ سایہ طوبیٰ میں پناہ کی خواہش؛ جہاں جبرائیل کے پر جلاتی ہے؛ وہاں ہم ایسے روسیاہ کی رسائی کہاں!

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

۔ ''دامن بھریں گے ان سے فرشتے بھی واعظو/طوبیٰ کے کیا کریں جو ہوئے لاکھ من کے پھول[یادگارداغ،ص:۶۵۵]''

سرِ طور کوہ طوراوراس سے متعلقہ بکثرت تلمیحات کلاسیکی غزل میں مستعمل ہیں۔مرزاداغ نے ارنی سے طور کو تعبیر کیاہے۔۔جس نے اپنے محبوب کے رخسار کی حُسن نما جھلک دیکھنے کی تاب پیدا کرلی وہ گویا پیروی موسیٰ کا مظہر ہو گیا۔سرِ طور جاکر دیدارِ خداوندی کا حوصلہ ہر کسی کے بس میں کہاں۔اس جلوے کی دید میں موسیٰ جیسے بلند ہمت شخصیت کے پاؤں ڈگمگا گئے تھے۔

۔ ''کہہ دے ارنی گوسے کوئی کاکے سر طور/گرشعلہ رخسار کو دیکھااسے دیکھا[آفتاب داغ،ص:۲۸۳]''

سوزنِ عیسیٰؑ سوزنِ عیسیٰ کلاسیکی اُردو شاعری میں مستعمل ایک معروف تلمیح ہے۔سوزن سے مراد سُوئی ہے۔روایات کے مطابق؛ہنگامی صورت حال کے پیش نظر رب تعالیٰ نے آپ کو زندہ آسمان پر اُٹھالیا۔ساحر لکھنوی لکھتے ہیں:

> ''عیسیٰؑ جب جبرئیل کی ہمراہی میں چوتھے آسمان پر پہنچے تو جبرئیل نے استفسار کیا:آپ کے لباس میں کوئی کثیف چیز موجود ہے جو مزید اُوپر جانے میں حائل ہو رہی ہے۔جواب میں آپ نے سوزن یعنی سُوئی لباس سے الگ کرکے دکھائی۔جناب جبرئیل نے کہا کہ آپ کے ساتھ عالم اسباب کی چیز ہمراہ آگئی ہے جس کے ساتھ مزید سفر کی اجازت نہ ہے۔''(۲۶)

اس ایک معمولی چیز نے جہاں ایک غیر معمولی واقعے کو جنم دیااور کثافت ولطافت کے فرق کو واضح کردیا۔مرزاداغ نے سوزن عیسیٰؑ سے منفرد مطالب اخذ کیے ہیں۔وحشی کا گریبان چاک کرنے کے لیے سوزن عیسیٰ درکار ہے جواب میسر نہیں ہے۔عشق کی وحشت عالمِ اسباب کی طلب سے عاشق کو ماورا کردیتی ہے اور وہ خود اپنے گریبان کو تارتار کرڈالتا ہے۔

۔ ''سوزن عیسیٰ کا بخیہ ادھڑتا ہے یہاں/اپنے وحشی کا ذرا چاک گریباں دیکھنا[متفرقات داغ،ص:۷۵۹]''

شبِ معراج کلاسیکی غزل میں شب معراج سے متعلقہ تلمیحات بہت معروف ہیں۔شب معراج ایک اسلامی تہوار کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہاں رائج ہے۔یہ تہوار بڑے اہتمام اور ذوق سے منایا جاتا ہے۔اس رات خوب عبادت و ریاضت کی جاتی ہے۔لنگر و خیرات کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔مفتی خالد محمود لکھتے ہیں:''یہ واقعہ 27 رجب کی درمیانی رات کو پیش آیا تھا۔یہ انسانی عظمت حضورؐ کے علاوہ کسی اور بشر کو نصیب نہیں ہوئی''۔(۲۷)

مرزاداغؔ نے شب معراج کی مناسبت سے اپنی عقیدت کا اظہار کیاہے۔داغؔ کہتے ہیں شب معراج کے حسین لمحات میں فرشتوں نے آسمان کو سجا رکھا تھا۔فرشتوں میں باہم یہی باتیں ہو رہی تھیں۔پیغمبر آخر زماں رب تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہم اس ملاقات کے فیض سے مالامال ہو رہے ہیں۔داغؔ نے حضور اکرمؐ اور رب تعالیٰ کی اس ملاقات کو دنیائے ہا،ہو کے لیے نعمت اور رحمت کا باعث قرار دیاہے۔مسلمانوں کے لیے یقینی بخشش اور نعمتوں کی فراوانی کا مظہر قرار دیاہے۔

۔ ''شب معراج میں شادی منائی تھی فرشتوں نے/نہ سمجھو کہکشاں اس کو یہ بندھنواور باندھا ہے[متفرقات داغ،ص:۹۷]''

صبرِ ایوبؑ مرزاداغؔ صبر ایوب تلمیح کے پس منظر میں موجود تاریخی واقعے سے پوری طرح آگاہ ہیں۔داغؔ کہتے ہیں محبت میں صبر کرنا بیکاروں کا کام ہے۔محبت صبر اور جبر کے تسلسل میں قربانی کا ایک پیہم سلسلہ تقاضا کرتی ہے۔ابن الوقت ایسے بہت سے عشاق دامن نچوڑ دیتے ہیں اور پتلی گلی نکل لیتے ہیں۔ثوبان سعید لکھتے ہیں:'' ایوبؑ کے صبر کی ثانی نظیر ومثال نہیں ملتی یہاں تک کہ صبر ایوب ضرب المثل بن گیا۔''(۲۸)

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

رضااور تسلیم کے درمیان ایوب جیسا صبر، فقط ایوبؑ کو ہی زیبا ہے۔ان کے مقام و حوصلہ تک کوئی اور ہنوز نہ پہنچ پایا۔

؎ ''صبر ایوب کی اے داغؔ نہ کرنا خواہش/کہ محبت میں تو یہ کام ہے بیکاروں کا[گلزار داغ، ص:۳۵۳]''

صورِ محشر؛ جزاو سزا کا استعارہ ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دربارِ حساب منعقد ہو گا۔ جہاں تمام مخلوق اپنے اعمال کے مطابق جزاو سزا کے عمل سے گزاری جائے گی۔ ساجدہ قریشی لکھتی ہیں:''صور کے لغوی معنی، تُرہی، قرنا اور نرسنگھا کے ہیں۔ قدیم بابلی، آرامی، سامی اور عبرانی شاہوں جلال و جلوس اور اعلانِ جنگ میں قرنا/نرسنگھا پھونکنے کا رواج تھا۔ قرنا/نرسنگھا کو شاہی جلال کے اظہار اور انتہائی خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا''۔(۲۹)

مرزا داغؔ؛صور اسرافیل کی حقیقت سے باخوبی آگاہ ہیں۔ شعری رعایت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تفنن طبع کے طور پر کہتے ہیں۔ میں ایک عرصہ سے شب بیداری میں غرق تھا۔اب ذرآنکھ لگی تھی کہ اسرافیل نے صور پھونک کر مجھ کو کچی نیند جگادیا ہے۔ کچی نیند سے جگانا اور صور کے پھونکے جانے کی حقیقت کو داغؔ نے جس تمثیلی شباہت میں ڈھال کر بیان کیا، یقیناً لائق داد ہے۔ داغؔ کہتے ہیں ہم ایسے مست الست صور اسرافیل کو ایک بانسری کی بھنک سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔

؎ ''صور محشر کو بھی تو اس کے مست/بانسری کی بھنک سمجھتے ہیں[متفرقات داغ، ص:۳۶۲]''

؎ ''شور محشر نے اُٹھایا مجھ کو کچی نیند اگر/اونگ پر اونگ آئے گی صبح قیامت بھی مجھے[متفرقات داغ، ص:۲۰۹]''

طائرِ سدرہ سدرۃ المنتہیٰ قرآن مقدس میں واقعہ معراج سے منسوب ایک معروف تلمیح ہے۔ سدرہ منتہیٰ کا تذکرہ ادبیاتِ عالم اور جملہ ادیان میں ملتا ہے جس کا تقدس مسلم ہے۔ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جب تاجدارِ رسالتؐ کو معراج کرائی گئی تو آپ کو سدرۃُ المنتہیٰ پر لے جایا گیا۔۔۔سدرہ کا مقام چھٹا آسمان قیاس کیا جاتا ہے۔''(۳۰)

سدرۃ المنتہیٰ کی حقیقت اور اصلیت کے برعکس مرزا داغؔ اسے "دم جبرئیل" سے منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ جہاں جبرائیل کے پر جلتے ہوں وہاں خضر کی ہمراہی کون کرے۔ سدرہ کے منتہا تک جا پہنچا ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہے۔ داغؔ کہتے ہیں طیبہ کے باغ میں بسیرا کر لینے والا در حقیقت سدرہ کے منتہائے کمال کو پالیتا ہے۔ جسے یہ مقام و مرتبہ نصیب ہو جائے اس کی خوش نصیبی پر رشک ہی کیا جا سکتا ہے۔

؎ ''باغ طیبہ میں کیا عجب آکر/طائر سدرہ بھی بسیرا لے[متفرقات داغ، ص:۷۸۹]''

؎ ''خضر کیوں کر نہ رہ عشق میں کترا کے چلیں/طائر سدرہ بھی اس رہ سے پر افشاں نکلا[گلزار داغ، ص:۱۵]''

طوفانِ نوحؑ کلاسیکی غزل میں نوح اور طوفان نوحؑ ایک معروف تلمیح ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو ایک طویل مدت تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے قومِ نوحؑ نے ان کے اعتقاد اور فرمودات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک کشتی بنا کر معتقدین مع اہل و عیال سب اس میں جمع کر لیے۔ آسمان سے اس قدر بارش برسی کے کہ سب فنا ہو گیا اور کچھ بھی شے، حیات و باقی نہ رہی۔ آنسہ نجمہ اشتیاق لکھتی ہیں:''طوفانِ نوح اسلامی تلمیح ہے جس کا تعلق رب تعالیٰ کی میزان کسوٹی سے ہے۔ یہ ایسی بارش تھی جس نے کل کائنات کو مٹاڈالا تھا۔''(۳۱)

مرزا داغؔ طوفان نوحؑ کی تاریخی حقیقت اور اس کے برپا ہونے کے اسباب سے یقینی واقف ہیں۔ داغؔ کہتے ہیں اگرچہ طوفان نوحؑ کے برپا ہونے سے حیات کل فنا کر دی گئی اور ماسوا ان کے اور متعلقین کے کچھ باقی نہ رہا۔ محبوبِ بے مروت مجھ ایسے روسیاہ کا حال یہ ہے کہ کئی طوفان برپا ہوئے لیکن محبت کے داغ کو کسی بارش نوحؑ نے دُھویا نہیں۔ داغِ محبت کے نقش کو مزید پختہ کر دیا ہے۔ داغؔ نے طوفان کی ایک نئی تعبیر کی ہے جو لائق داد ہے۔

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

؎ ''برپا اگرچہ نوح کا طوفان ہو گیا/افسوس ہے کہ داغ محبت نہ دھو گیا[یادگار داغ، ص:۶۳۱]''

طورِ سینا طور سینا اور اس سے متعلقہ دسیوں تلمیحات کلاسیکی غزل میں مستعمل ہیں۔ کوہ طور اور طور سینا مترادفات ہیں۔ طور سریانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب "پہاڑ" ہے۔ طور سے مراد "کوہ طور، کوہ سینا اور طور سینا: لیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ کوہ طور پر رب تعالیٰ سے شرف ملاقات اور باہم راز و نیاز کی گفتگو کرنے جایا کرتے تھے۔ اسی دوران تجلی ربوبیت سے ہمکنار ہوئے۔ ساجدہ قریشی لکھتی ہیں:

> ''کوہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جہاں حضرت موسیٰؑ نے تجلیِ خداوندی کو دیکھا تھا۔ یہ پہاڑ بحر قلزم کے دو شاخے کے راستے مصر کے قریب بتایا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ بے بارگاہ خلائق کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ خداوند نے کہا تو مجھے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے گا۔ اصرار پر خداوند نے طور پر اپنی تجلی گرائی جس سے طور جل گیا اور موسیٰؑ غش کھا کر بیہوش ہو گئے''۔(۳۲)

مرزا داغؔ کہتے ہیں اگر طور نہ جلتا؛ موسیٰؑ غش نہ کھاتے۔ ان پر رب تعالیٰ کی حقیقت و اصلیت کا انکشاف کیسے ہوتا جلوہ دیدار یار کے لیے مرد مکی کی گنجایش کہاں۔ بارہا تکرار کی صورت طور سینا کی پاسنگ بھی دل مضطر میں ٹھہر نہ سکی۔ داغؔ نے طور کے جلنے اور موسیٰؑ کے غش کھانے کو بطور استعارہ کے تلمیحاتی انداز میں بیان کیا ہے۔ پس پردہ اپنے عہد کے مسائل و اوہام کی طرف سے خفیف اشارہ کیا ہے جو لائق توجہ ہے۔

؎ ''بارہا اس پہ گری برق تجلی اس کی/طور سینا نہیں پاسنگ بھی میرے دل کی[متفرقات داغ، ص:۸۰۴]''

عالمِ برزخ کلاسیکی غزل گو شعرا کے ہاں عالم برزخ کے بارے میں قسم قسم کے نکتے ملتے ہیں۔ شعرا کی اکثریت اس برزخی زندگی کے جملہ مظاہر سے ناواقف ہے۔ شعرا کے ہاں سختی، تنگی، ملامت، مصیبت اور ارزانی کو برزخ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مرزا خان داغ کے ہاں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال دکھائی دیتی ہے۔ عالمِ برزخ سے مراد بعد از وفات سے لے کر قیامت کے وقوع پذیر ہونے تک کا درمیانی وقفہ ہے جہاں کل ارواح انتظاری کی حالت میں موجود رہتی ہیں۔ آیت اللہ مکارم لکھتے ہیں:

> ''برزخ سے مراد وہ جگہ عالم یا مستقر ہے جہاں موت سے قبل اور بعد از موت ایک حائل ہونے والا پڑاؤ ہے جسے "برزخ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس عالم کو "عالمِ قبر، عالم ارواح" بھی کہا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں نہ صرف مومنین کی ارواح موجود ہیں بلکہ فرعون و کافرین کی ارواح بھی اسی برزخ میں اقامت کیے ہوئے ہے۔''(۳۳)

مرزا داغؔ برزخ تلمیح کے حوالے سے اپنا ایک خاص نکتہ نظر رکھتے ہیں۔ داغؔ کہتے ہیں اے محبوب بے وفا ہم نے کہیں سن رکھا ہے عالم برزخ میں تمثیلاتی پری پیکر کی کثرت ہوتی ہے۔ جس کو جیسا گمان کیا جائے ویسا ہی پیش آجاتا ہے۔ برزخ کی اس سحر آمیز حقیقت پر ہمیں کچھ زیادہ یقین نہیں تاہم اگر یہ سچ ہے تو ہم تیری تمثال کو نظر بھر کر دیکھیں گے اور دید سے بہرہ ور ہوں گے۔

؎ ''یہ یقیں ہم کو نہیں، ہو گی وہاں تیری مثال/عالم برزخ میں سنتے ہیں مثالی صورتیں[یادگار داغ، ص:۲۸۰]''

قلبِ ایوبؑ قلب ایوبؑ؛ حضرت ایوبؑ سے متعلقہ تلمیح ہے۔ حضرت ایوبؑ رب تعالیٰ کی آزمائش کے پیشِ نظر کل دُنیا کی نعمتوں اور ضرورتوں سے محتاج کر دیئے گئے۔ اس کے باوجود ان کے صبر نے رب تعالیٰ کا دل جیت لیا۔ رب تعالیٰ نے انعام کے طور پر انھیں پیغمبر کے عہدے پر سرافراز کر دیا۔ مرزا داغؔ کہتے ہیں میں نے حوصلہ مند دل صرف ایوبؑ کا دیکھا ہے۔ ہزارہا مصیبتوں اور رنج والآم کے باجود صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

جس طرح یعقوب کی آنکھ نے یوسفؑ کے غم میں آخری اشک تک بہا دیا۔اسی طرح ایوبؑ نے صبر کی آخری حد تک رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔صبر و رضا کا یہ پیکر اسلامی تعلیمات کے پیرو کے لیے نمونہ استقامت ہے۔

- ''قلب ایوبؑ میں اس صبر کی دیکھی تاثیر/چشم یعقوبؑ کو اس نور سے بینا دیکھنا[متفرقات داغ،ص:۲۲۰]''

قمِ عیسیٰؑ قم عیسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ سے متعلقہ تلمیح ہے۔حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ ہے کہ وہ مردے سے قم باذنی(اللہ کے حکم سے اُٹھ) کہتے اور وہ زندہ ہو جاتا۔ مرزا داغ قم عیسیٰؑ کو مسیحی فن سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں میرے کان پھوٹیں میں مسیحا کی قم کا منتظر نہیں رہا۔اگر یہ کرم مجھ پر سزاوار ہو جائے تو میں قمِ عیسیٰ کی برکت سے اپنے لیے جہانِ چندروزہ میں مسیحائی کی نعمت سے مستفید ہو جاؤں گا۔

- ''معجزہ حضرت عیسیٰ کا غلط بھی تو نہیں/درد اٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر قُم مجھ کو[گلزار داغ،ص:۱۵۹]''

کراماً کاتبین اصطلاح میں انہیں فرشتوں کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔یہ فرشتے انسان کے ہر عمل کو قلم بند کرتے ہیں۔ہر انسان کے ذاتی اعمال کو ضابطہ تحریر میں لانے کے لیے خدا نے دو فرشتے،کراماً کاتبین یا کاتب اعمال یا مونڈھی فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔میمونہ ریاض لکھتی ہیں:

> ''کراماً کاتبین کے معنی ہیں "بزرگ لکھنے والے" کے ہیں۔مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اِن دو فرشتوں کو کہا جاتا ہے جو ہر انسان کے کاندھوں پر اس کی نیکی اور بدی لکھتے ہیں۔قیامت کے دن جب تمام مخلوق رب کے حضور جمع کی جائے گی تو یہ فرشتے حساب لے کر آئیں گے۔اس حساب کی تصدیق انسان کا عضو عضو کرے گا اور انکار کی کوئی صورت نہ ہو گی''۔(۳۴)

مرزا داغ کراماً کاتبین کے جبر اور بے داغ کاتب اعمال کی تحریر کو قدرے طنزیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔میں نے عمر بھر محبوبِ بے رُخ سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔یہ میری محبت اور عقیدت کی گواہی دیں گے۔میں نے انھیں اپنا محضر یعنی کاتبِ اعمال مقرر کر لیا ہے۔داغ کہتے ہیں کراماً کاتبین کی قلمی موشگافیوں پر رشک آتا ہے کہ کیسے کیسے روسیاہ کے اعمال نامے حذف کیے گئے ہیں۔کوئی ان کی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔یہ گستاخی نہیں۔لطیف طنز ہے۔

- ''قتل پر میری فرشتے بھی گواہی گردیں/دے دیا کاتب اعمال کو محضر اپنا[گلزار داغ،ص:۱۷]''
- ''کراماً کاتبین کے اشک ٹپکے ان کی حالت پر/اعمال نامے سیہ کاروں کے اس صورت سے کاٹے ہیں[یادگار داغ،ص:۴]''

کشتیِ نوحؑ کشتی نوح؛حضرت موسیٰ سے متعلق معروف تلمیح ہے۔حضرت موسیٰ کی قوم نے جب سرکشی کی تو رب تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ نے ایک کشتی بنا کر اس میں کل ذی حیات کو مع معتقدین کے جمع کر لیا۔منکرینِ نوحؑ کو بارش نے آلیا۔پوری قوم کو رب تعالیٰ نے پانی میں غرقاب کر دیا۔مرزا داغ کشتی نوح کی رعایت سے کہتے ہیں۔کشتی نوح کی نجات کا واحد ذریعہ قدرتِ حق نے پیغمبر آخر زماں کو قرار دیا ہے۔رب تعالیٰ جس کی چاہے کشتی غرقاب کر دے اور جس کی چاہے پار لگا دے۔یہ اختیار اور قدرت صرف اسی ذاتِ حق کو زیبا ہے۔داغ کہتے ہیں ہماری نجات و بخشش کی کشتی کا ٹھکانے لگنا صرف پیغمبر آخر زماں کے وسیلے سے ممکن ہے۔حضور ولیِ حق کے سہارے سے اس اُمت کی نیّا پار لگے گی۔

- ''وہیں کشتی نوحؑ بھی ڈوب جاتی/نہ دیتے جو اس کو سہارا محمدؐ[گلزار داغ،ص:۴]''

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

کن فیکون کن فیکون ایک معروف تلمیح ہے جو قرآن کی سب سے بڑی سورہ البقرہ کی آیت نمبر (۱۱۷) سی ماخوز ہے۔اس تلمیح کے پس منظر میں رب تعالیٰ کی تخلیق قدرت کے طریقہ کار کا بیان ہوا ہے۔کن فیکون یعنی "ہو جاؤ، پس ہو جاتا ہے" کے معنی میں ہے۔زیڈ۔بی۔پسروری لکھتے ہیں:

''لفظ 'کن فیکون' سے مراد رب تعالیٰ کا امر ہے جس سے وہ خلقت کے جملہ کام لیتا ہے۔''(۳۵)

مرزا داغؔ مذکورہ حمدیہ شعر میں رب تعالیٰ کی کن فیکون والی صفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔کن اور فیکون کے پس پردہ کیا کہانی ہے ۔اس معمہ کو کون سلجھا سکتا ہے۔یہ انسانی عقل کی دسترس میں کیسے افہام کا روپ لے سکتی ہے۔اس کے بارے میں قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب وصائف واختیار کا مالکِ کل رب تعالیٰ کی ذات والاصفات ہے۔یہ فقط اسی کو زیبا ہے۔

؎ ''سبب کن فیکون آپ ہی کی ذات ہوئی/باعث ارض وسما ہے بخدا کون؟ کہ آپ [یادگار داغ، ص:۶۴۴]''

گلزار ابراہیمؑ حضرت ابراہیمؑ رب تعالیٰ کے سچے برگزیدہ پیغمبر تھے۔آپ نے نمرود کے دربار میں خدا کے ایک ہونے اور شرک وکفر کے باطل ہونے کا ببانگ دہل اظہار کیا۔''ابراہیمؑ نے کلمہ حق کے لیے نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں گرنا گوارا کر لیا لیکن جابر حکمران کے آگے سر تسلیم خم نہیں کیا۔یہ تلمیح ابراہیم کے موحد ہونے اور یکتائی کے قائل ہونے اور محبوبِ ربی ہونے کی فراواں مثال ہے۔''(۳۶)

مرزا داغؔ نے گلزار ابراہیم؛ تلمیح کو اپنے اُستاد محمد ابراہیم ذوقؔ کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔داغؔ ایک زمانہ تک ابراہیم ذوق معروف شاعر کے شاگرد رشید رہے۔ان سے شاعری اور زبان دانی میں قدرت حاصل کی۔داغؔ اُردو زبان ادب کو ایک گلزار یعنی گلزار ابراہیم سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔میرے شاعری کا جو خزنیہ ہے یہ اُستاد ابراہیم ذوقؔ کا ودیعت کیا ہوا ہے۔خدا انھیں سلامت اور جیتا رکھے۔زبان اُردو کا وجود ان کی شخصیت کا احسان مند ہے۔مجھ ایسا گمنام شاعر بھی ان کی زبان دانی اور شعری اُپج کا مقلد ہے۔

؎ ''یہ بہار داغؔ ہے گلزار ابراہیمؑ کی/ذوق کہتے ہیں جسے ہے فیض اس استاد کا [یادگار داغ، ص:۵]''

لن ترانی لن ترانی؛ایک قرآنی ٹکڑا ہے جو بطور ترکیب اُردو میں رائج ہو گیا ہے۔لن ترانی کا مطلب؛"تو مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتا"۔حضرت موسیٰؑ رب تعالیٰ کے دیدار کے لیے کوہ طور پر گئے۔تجلیِ یار تجلی کی شدت سے بے ہوش ہو گئے۔اس واقعے کو قرآن نے دلآویز انداز میں بیان کیا ہے۔شعرا نے بھی اسے ترکیبی تلمیح دسیوں انداز میں برتا ہے۔ڈاکٹر عطاالرحمن صدیقی لکھتے ہیں:

> ''لن ترانی کے معنی ہیں "تو مجھے ہر گز دیکھ نہ سکے گا/تو ہر گز دیکھنے کی تاب نہ لا سکے گا"۔یہ تلمیح تجلی باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔حضرت موسیٰؑ نے طورِ سینا پر اللہ تعالیٰ سے اس کی تجلی دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا: ارنی یعنی مجھے اپنا آپ دکھا۔جواب میں خدا نے فرمایا تھا: لن ترانی یعنی تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا/تو میرے دیدار کی تاب نہ لا سکے گا''۔(۳۷)

مرزا داغؔ کہتے ہیں۔لن ترانی کی صدا جب تک کسی کے منہ سے سُن نہ لی جائے؛تب تک دید وادید کا مشتاق اپنی خواہش سے باز نہیں آتا۔ لن ترانی کو ناممکنات کے حوالے سے بھی بطور محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔داغؔ کہتے ہیں ہم لن ترانی کے برعکس خود کو کوہ طور کی کوہ پیمائی سے روکے ہوئے اپنی خواہش کی عدم تکمیل کے جواب میں لن ترانی نہیں سننا چاہتے۔ہمارا عشق لن ترانی کے ردِ عمل کا متحمل نہیں۔ہم لن ترانی کی آرزو لیے اپنا تن من دھن وارے اور ہارے بیٹھے ہیں۔

؎ ''لن ترانی سے غرض کیا حسن عالم سوز کو/ہم نظر آپ چرا جاتے ہیں اکثر دیکھ کر [گلزار داغ، ص:۵]''

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

۔ ''سنیں کیوں لن ترانی طور پر کیوں جائیں کیا حاصل/کہ مستغنی ہیں تیری خود نمائی دیکھنے والے[گلزار داغ،ص:۸]''

لیلۃ القدر لیلۃ القدر سے مراد ایک ایسی رات ہے جس میں شب بھر عبادت کی جاتی ہے اور صبح روزہ رکھا جاتا ہے۔یہ رات ہزار راتوں کی ایک رات ہے جس کی فضیلت واہمیت بہت زیادہ ہے۔سید سرفراز اے شاہ لکھتے ہیں:

> ''اس رات حساب وکتاب اور جنت ودوزخ اور رزق واُولاد یعنی ہر چیز کا ایک سالانہ بجٹ تیار ہوتا ہے پھر مومنین پر رب تعالیٰ اپنے ظرف اور کرم اور فضل کے مطابق بے حد وحساب انعامات وکرامات کی بارش کا نزول کرتا ہے۔''(۳۸)

مرزا داغ لیلۃ القدر کی مذہبی اہمیت اور شب گزاری سے باخوبی آگاہ ہیں۔داغ زاہد کو طنزیہ تفنن طبع کے طور پر چھیڑ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔رات بھر جنابِ زاہد جاگتے رہے ہیں۔اب سارا دن ان کا اونگھتے ہوئے گزرے گا تو تماشا ہوگا۔ان کی شب گزاری میں کہیں دال میں کچھ کالا جیسا ہے۔داغ ایک ایسا شاعر ہے جو زمانے کی کشمکش اور مذہب کے فرعوی معاملات ونزاعات سے باخوبی آشنا ہیں۔ان موضوعات ونزاعات کا منفرد بیان داغ کی فنی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۔ ''لیلۃ القدر میں جاگے ہیں جناب زاہد/اونگھتے گزرے گا دن بھر تو تماشا ہوگا[متفرقات داغ،ص:۶۱]''

ملک الموت آخرت کا تصور قرآن وحدیث دونوں میں مذکور ہے۔مرزا داغ موت اور ملک الموت کے حوالے سے اپنا منفرد انداز نظر رکھتے ہیں۔''انسان کی زندگی کا وقت متعین ہے۔یہ وقت پورا ہو جانے کے بعد حضرت عزرائیل انسان کے پاس آتے ہیں اور اس کی روح قبض کر کے ہمراہ لے جاتے ہیں اور عالمِ برزخ میں پہنچا دیتے ہیں جہاں یہ روح اپنے اعمالِ دُنیا کے اعتبار سے آرام یا تکلیف میں قیامت تک اقامت کیے رہے گی''۔(۳۹)

داغ کہتے ہیں ملک الموت سنگ دل اور سخت مزاج ہیں۔انھیں جان نکالتے ہوئے رحم کی فریاد اپیل نہیں کرتی۔یہ عاشق مزاج لوگوں کے لیے محبوب، پارساؤں کے لیے متقی اور بد عادات والوں کے لیے مہین صورت اختیار کرتا ہے۔داغ نے موت کے استعارے کو ملک الموت سے کنایہ کیا ہے۔

۔ ''فرقت یار میں بے موت جو مر جاتا ہوں/ملک الموت کو دیوانہ بناتا ہوں میں[گلزار داغ،ص:۳۲]''

۔ ''شہید ناز بھی عاشق مزاج بھی میں ہوں/اس لئے ملک الموت بن کے حور آیا[آفتاب داغ،ص:۲۷۳]''

منکر نکیر منکر نکیر ایک معروف اسلامی تلمیح ہے۔کلاسیکی شعرا نے اس تلمیح تفنن طبع کے طور پر کہیں طنزیہ اور کہیں استہزایہ انداز میں برتا ہے۔منکر نکیر؛ قبر میں انسان کی دُنیاوی زندگی اور اس کے عقائد کے بارے میں مخصوص سوال کرتے ہیں جن کے جوابات کے مطابق انسان کی اُخروی زندگی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی لکھتے ہیں:

> ''منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو دفن کے بعد قبر میں آتے ہیں اور مردے سے اس کے عقائد کے بارے میں سوال کرنے کے بعد اس کے جوابات کی روشنی میں اس کے لیے قبر سزا و جزا مقرر کرتے ہیں۔درست جواب دینے والے کو جنت کی خوشخبری دے کر جاتے ہیں اور غلط جواب دینے والے کو جہنم کے عذاب کی نوید سناتے ہیں''۔(۴۰)

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

مرزا داغؔ مذہبی انسان ہیں۔ان کی غزلیات میں مذہبی مسائل کی باز گزشت برابر سنائی دیتی ہے۔داغؔ کہتے ہیں منکر نکیر کا معاملہ بھی عجیب ہے یعنی وہ کچھ دریافت کرتے ہیں جن کا ہمیں پہلے سے علم ہے۔ان کو بہکانے کا کوئی ڈھنگ نہیں آتا۔داغؔ کہتے ہیں قبر کی تنگ دامانی ہمیں اذیت میں رکھے گی۔ منکر نکیر آئیں گے تو ہم ان سے محوِ گفتگو ہو کر کوئی قصہ چھیڑ کر دل بہلانے کا سامان کر لیں گے۔یوں ان کا بھی کام ہو جائے اور ہمارا بھی وقت کچھ بہتر کٹ جائے گا۔

؎ ''فرقت میں مجھ کو خانہ تاریک قبر ہے/منکر نکیر آئیں اگر قصہ خواں نہیں[یادگار داغ،ص:۶۶۱]''

نامۂ اعمال نامہ اعمال؛ایک اسلامی تلمیح ہے جس کا انحصار دنیاوی زندگی کی مثبت و منفی سرگرمیوں سے ہے۔اچھے اور برے اعمال کا تعلق انسان کے ودیعت کیے ہوئے اختیار اور عمل سے متعلق ہے۔مرزا داغؔ نے روایتی انداز میں نامہ اعمال اور کراماکاتبین کی چھیڑ کا طنزیہ بیان کیا ہے۔
خالدہ پروین لکھتی ہیں:

> ''رب کائنات کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دُنیا نیست و نابود ہو جائے گی۔ سبھی مخلوقاتِ عالم اپنے رب کے حضور پیش ہوں گی اور ان کے نامہ اعمال کے مطابق ان کی سزا اور جزا کا فیصلہ کیا جائے گا۔ نفسا نفسی کے اس دن کوئی کسی کا ساتھ نہ دے گا اور مدد کرے گا ہر ایک کوئی اپنی نجات کی فکر ہو گی۔ قیامت کی ہولناکیوں اور شدت کا ذکر قرآن و احادیث میں موجود ہے۔غرض یہ کہ قیامت کا دن انسان کے لیے انتہائی مجبوری اور آزمائش کا دن ہو گا''۔(۴۱)

داغؔ کہتے ہیں نامہ اعمال کے بوقتِ حساب کھل جانے کا اندیشہ جان کی ہلکانی کا باعث بنا ہوا ہے۔وہ دن اور کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔جب حسینوں اور مہ جبینوں کے اعمال نامے کھلیں گے۔سب کچھ واہو کر رہ جائے گا۔کچھ پنہاں نہ رہے گا۔اس وقت بے قراری اور بے چینی کا عالم مخلوق کل کی حالتِ زار کا نقشہ جو کھینچے گا۔مذکور تاثر سے معلوم ہوتا ہے کہ داغؔ کو اپنے اعمال نامے کی کچھ پروا نہیں ہے۔

؎ ''گناہوں سے میرے یہ کانپتے فرشتے/کہ اعمال نامہ لکھا خط بدل کر[گلزار داغ،ص:۸]''

؎ ''ہائے اس کی فکر اس کی بیقراری اس کی یاس/خلق کے جب نامہ اعمال وا ہونے لگے[آفتاب داغ،ص:۲۸]''

یدِ بیضا کلاسیکی شعرا کے ہاں جس بدیعی عنصر کا فراواں اور زرخیر استعمال ملتا ہے وہ فنِ تلمیح ہے۔شعرا نے علم بیان و بدیع کے جملہ مباحث کو اپنے کلام کا حصہ بنایا ہے۔ولی دکنی سے شروع ہونے والی اس روایت نے مرزا خان داغؔ پر آکر اپنے اوجِ کمال کو چھوا۔مرزا خان داغ کے ہاں تلمیحاتِ اسلامی کا شعری انسلاک اپنی انتہا ہو پہنچا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کی ایک مثال تلمیحِ یدِ بیضا ہے۔یہ تلمیح ان کے ہم عصر نے بھی برابر استعمال کی ہے لیکن جو انداز مرزا خان داغ کے ہاں ہے وہ ان کے ہمعصر کے ہاں خال خال دکھائی دیتا ہے۔

> ''یدِ بیضا حضرت موسیٰ کا وہ معجزہ ہے جو انھیں بطور خاص عطا کیا گیا تھا تاکہ ان کی قوم رب تعالیٰ کی کاریگری اور ہر چیز پر قدرت کے یکساں اختیار سے متاثر ہو کر وحدانیت کی قائل ہو جائے۔ حضرت موسیٰ بغل میں ہاتھ لے جا کر جب باہر نکالتے تو وہ مثلِ ماہ چمکتا تھا''۔(۴۲)

مرزا داغؔ نے یدِ بیضا؛ تلمیح سے مزاحی رنگ پیدا کیا ہے۔داغؔ کہتے ہیں محبوبِ بے مروت کے ہاتھ پر رنگ حنا؛ید بیضائی کا عکس ہویدا کر رہا ہے۔دیکھنے والوں کو دستِ سفید کی کرامات نظر نہیں آرہی۔داغؔ کہتے ہیں حضرت موسیٰ نے دست سفید کا نظارہ سرِ عام کروایا۔ایک جمِ غفیر نے

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

اس معجزہ کو دیکھا لیکن اعتقادی صورت احوال میں ان کا گمان کفر پر اُٹا رہا۔ داغؔ نے ید بیضا تلمیح سے کئی ایک معنی کو باہم یکجا کر کے تلمیح مذکور کی معنویت میں اضافہ کر دیا ہے۔

۔ ''تیری اُتری ہوئی مہندی جو اسی ہاتھ لگے/ید بیضا کا نشان پنجہ مریم میں رہے[گلزارِ داغ،ص:۲۱۳]''

۔ ''ید بیضا جو چمکا کر دکھائیں حضرت موسیٰ/نہ دیکھیں ہم تر ادست حنائی دیکھنے والے[یادگارِ داغ،ص:۲۹۸]''

مذکورہ مقالہ میں غزلیاتِ داغ میں تلمیحاتِ اسلامی کے شعری انسلاک کا بھرپور تنقیدی جائزہ لینے سے یہ تاثر سامنے آیا ہے کہ مرزا خان داغ دہلوی کی غزلیات میں تلمیحاتِ اسلامی سے متصل واقعات و قصص کا ایک خزانہ موجود ہے۔ مرزا خان داغ دہلوی نے دین اسلام کے اہم واقعات اور قرآنی قصص کو غزل کے سانچے میں اس انداز سے ڈھالا ہے کہ شعر کی وقعت میں بھی اضافہ ہوا ہے اور ان واقعات کی دینی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے۔ بلاشبہ ہم کہ سکتے ہیں کہ مرزا خان داغ نے فنِ تلمیح کا غزلیات میں استعمال موزوں اور منفرد انداز میں کامیابی سے کیا ہے جس سے مرزا خان داغ کی شاعرانہ عظمت کو مزید ایک حوالہ مل گیا ہے جو ان کی شاعرانہ انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حوالا جات

۱۔ وحید الدین سلیم، مولوی، افادات سلیم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1983، ص 31

۲۔ اعجاز حسین، ڈاکٹر، مذہب و شاعری(مذہب کا اثر اُردو شاعری پر)، اُردو اکیڈمی سندھی، کراچی، 1955، ص:83

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد چہارم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2008، ص:1487

۴۔ شوکت سبز واری، 1953ء شوکت سبز واری، ڈاکٹر، مشمولہ، مضمون: داغ کی معاملہ بندی، نگار، داغ نمبر، جنوری، 1953، ص:112

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اُردو، جلد چہارم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ص:1495

۶۔ نعمان اعجاز، حوض کوثر کیسی ہوگی؟ روزنامہ پاکستان، 03نومبر، 2018ء

۷۔ ساجدہ قریشی، تلمیحات انشامع شخصیات، اسلامک ونڈرس بیورو، دہلی، 2017ء، ص:283

۸۔ عابد خورشید، ڈاکٹر، تلمیحاتِ راشد، انجمن ترقی اُردو، پاکستان، کراچی، 2019، ص:63

۹۔ خالدہ پروین، تلمیحات پر اُردو مطبوعات، مقالہ، ایم فل، سرگودھا یونی ورسٹی، 2016ء

۱۰۔ ڈاکٹر عطاالرحمان صدیقی ندوی، اُردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، کاکوری آفسیٹ پریس لکھنو، 2004، ص:402

۱۱۔ آنسہ نجمہ اشتیاق، اُردو تلمیحات، ادارہ مصنفین پاکستان، ریجن، سکھر، سن (ندارد)، ص:144

۱۲۔ ساجد محمود ڈار، محسن نقوی کی شاعری میں تلمیحات، مقالہ، ایم فل، نادرن یونیورسٹی، نوشہرہ، 2016ء، ص:178

۱۳۔ محمود میاں نجمی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، سنڈے میگزین، روزنامہ، جنگ، 20، اکتوبر، 2019ء

۱۴۔ میمونہ ریاض، تلمیحاتِ احمد فراز، مقالہ، ایم فل، جی سی، یونی ورسٹی، 2009ء

۱۵۔ محمود نیازی، خزانہ تلمیحات، انعام بک ڈپو، لکھنو، س ن، ص:142

۱۶۔ ثوبان سعید، فرہنگ تلمیحات، اسلامک ونڈرس پلشرز، لکھنو، 2004، بار سوم، ص:169

۱۷۔ ڈاکٹر فرخ سہیل، حضرت عیسیٰؑ ابن مریم علیہ السلام، ماہنامہ، دخترِ اسلام، دسمبر، 2019ء

(Online) ISSN 2709-7633 (Print) |ISSN 2709-7641
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

https://www.rekhta.org/poets/anisur-rahman/allusions?lang=ur۔۱۸

۱۹۔ساحر لکھنوی،فرہنگ تلمیحات و مصطلحات،ملک بک ڈپو،س ن،ص:133

۲۰۔محمود نیازی،خزانہ تلمیحات،ص:154

۲۱۔مفتی قاسم عطاری،رشوت خور: جہنم کا ایندھن،ماہنامہ،فیضان مدینہ،فروری،2018ء

۲۲۔خالد ندیم،جہانِ تلمیحات(شخصیات)،ص:131

۲۳۔عابد خورشید،ڈاکٹر تلمیحاتِ راشد،انجمن ترقی اردو،کراچی،2019،ص:113

۲۴۔عاصمہ فرحت،اقبال کے اردو کلام میں اسلامی تلمیحات،،مقالہ،ایم۔اے،جامعہ پنجاب،1970ء

۲۵۔ثوبان سعید،فرہنگ تلمیحات،ص:161

۲۶۔ساحر لکھنوی،مختصر فرہنگ تلمیحات و مصطلحات،ص:175

۲۷۔مفتی خالد محمود،اسرا،معراج: حقائق و مقصود،روزنامہ،جنگ،22،مارچ،2022ء

۲۸۔ثوبان سعید،فرہنگ تلمیحات،ص:220

۲۹۔ساجدہ قریشی، تلمیحات انشا مع شخصیات،ص:232

۳۰۔شبیر احمد عثمانی، تفسیر قرآن(معارف القرآن)،نور ہدایت ٹرسٹ،1989،ص:678

۳۱۔آنسہ نجمہ اشتیاق،اُردو تلمیحات،ادارہ مصنفین پاکستان،ریجن، سکھر،سن(ندارد)،ص:144

۳۲۔ساجدہ قریشی، تلمیحات انشا مع شخصیات،ص:280

۳۳۔آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر بحار الانوار،جلد،12،ص:322

۳۴۔میمونہ ریاض، تلمیحاتِ احمد فراز،مقالہ،ایم فل،جی سی،یونی ورسٹی،2009ء،ص:219

۳۵۔زیڈ۔بی۔پسروری،کن فیکون، مشمولہ، مضمون،کالم،ڈیلی پاکستان،15،فروری،2016ء

۳۶۔صائمہ شہزادی،فرہنگ کلام داغ،مقالہ ایم۔فل،منہاج یونی ورسٹی،لاہور،2015ء

۳۷۔ڈاکٹر عطاالرحمان صدیقی ندوی،اُردو شاعری میں اسلامی تلمیحات،کاکوری آفیسٹ پریس لکھنو،2004،ص:402

۳۸۔سرفراز اے شاہ،سید،ارژنگ فقیر،ص:166

۳۹۔مولانا محمد قاسم عطاری،عالمِ برزخ کا بیان،ماہنامہ،فیضانِ مدینہ،مارچ،2018ء

۴۰۔مصاحب علی صدیقی،ڈاکٹر،اُردو ادب میں تلمیحات،ص:302

۴۱۔خالدہ پروین، تلمیحات پر اُردو مطبوعات،مقالہ،ایم فل،سرگودھا یونی ورسٹی،2016ء

۴۲۔ڈاکٹر شریف احمد قریشی، تلمیحات نظیر اکبر آبادی،ص:357